

# ذاتی ڈائری

مولانا عبید اللہ سندھی

مولانا عبید اللہ سندھی کی مختصر سوانح حیات جو انہوں نے پیشکش  
معاذ ہونے سے کچھ عرصہ پیشتر مکہ معظمہ میں خود لکھیں۔

مولانا حسین احمد فی کا ایک بیان جو مولانا سندھی کی سیرت پر  
ایک دوست اور شوقین کی بنیاد پر ترقید ہے۔

رولٹ کمیشن کی رپورٹ کا وہ حصہ جو حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک  
اور مولانا سندھی کی جدوجہد سے متعلق ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی کا خود نوشت

سفر نامہ کابل

سجاد محمد خان احمد

فیس حضور  
0210  
273

## عرض مرتب

کچھ دسے جوں میں نکایات غل چکاں  
ہر چہ داس میں اللہ ہمارے قلم ہوئے

مولانا حبیب اللہ سندھی کا سفر نامہ کابل ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اومان خان  
پر مشتمل ہے جو مولانا کو مولانا شیخ الہند کی جماعت کے ایک رکن کی حیثیت سے  
۱۹۱۵ء سے لے کر ۱۹۲۳ء تک کابل میں پیش آئے مولانا شیخ الہند کی جماعت  
کو گزشتہ جنگ عظیم میں وہی حیثیت حاصل تھی جو موجودہ جنگ عظیم میں انڈیا فرسٹ  
اللہ آباد ہندو کمٹ کے حامل رہی ہے جس طرح موجودہ بعد از جنگ سرزمیناں

نشر

ادبستان بیرون گچی دروازہ لاہور

اکتوبر ۱۹۲۶ء

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

کابل کو پریشر پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپی اور ادبستان لاہور سے شائع ہوئی  
محمد رفیق ملک پریشر پرنٹنگ اور ادبستان

بمقابل

۱۵۵

موصول دوران جنگ کی باخیا نہ جدوجہد کی ہی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اسی طرح خلافتِ مملکت ۱۹۲۴ء کی سیاسی جدوجہد مولانا شیخ الہند کی جانت اور ان کے دوسرے خروکار کی سرگرمیوں کی ترقی یافتہ صورت ہی تھی۔ اگر آگاہ ہندو فوج یا آزاد ہندو حکومت کے کارکنوں کا سہرا سبب چند برس کے سر پہ ہے تو گذشتہ جنگ عظیم کی سرگرمیوں کا مرکز مولانا شیخ الہند تھے۔ مولانا شیخ الہند کی سرگرمیاں ۱۹۱۴ء سے شروع ہوئی تھیں۔ اور اس طرح پورے کلام کا جو وقتیں جس کو مولانا عبید اللہ سندھی شاہ ولی اللہ کی ریکا حرکت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ سرگرمیاں جنگ عظیم سے پہلے ہی دو اجزاء پر مشتمل ہیں۔ ایک تو تھیں۔ اندرون ہند اور بیرون ہند جنگ عظیم کے دوران میں انہی سرگرمیوں کو موقع کے مناسب پھیلا یا گیا۔ اور ہندوستان میں داخل ہندو ات اور اس پر خارجی حملہ کے ذریعہ اگر براؤں کو یہاں سے لے کر بیرون ہند سوچی گئی مولانا شیخ الہند نے دوران جنگ میں ان سرگرمیوں کا مرکز کابل میں قائم کرنا چاہا۔ اور اس کے لئے مولانا عبید اللہ سندھی کابل کی کو مناسب جگہ کو نہیں کابل جانے کا حکم دیا۔ مولانا عبید اللہ اس سے ہندوستانی سرگرمیوں میں مولانا شیخ الہند کا ہاتھ بٹاتے رہے تھے۔ مولانا انصاری کی سرگرمیوں کا انصاری اپنی پر تھا۔ نانا ایک تجربہ کار دہر کی مولانا شیخ الہند نے اپنی بیرون ہند سرگرمیوں کی تفصیلات سے مولانا

سندھی کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ اور مولانا سندھی دہلی کے کام کو کیا اس کی ضرورت سے بھی قطعاً نا بلند تھے۔ ان کے اس عظیم الشان اہم سفر کا حکم ان کو نہایت بے خبری میں غیر متوقع طور پر ملا۔ میرے عزیز بھائی عبدالسبح صاحب فاضل دہلی ہند کی رعایت ہے۔ کہ مولانا سندھی نے خود ایک مجلس میں بتایا کہ ایک دن مجھے حضرت شیخ الہند نے فرمایا۔ عبید اللہ افغانستان چلو میں نے پوچھا۔ حضرت کیوں؟ اس پر حضرت شیخ الہند خاموش ہو گئے اور زیادہ کچھ نہیں فرمایا۔ دگر دن حضرت نے پھر فرمایا۔ عبید اللہ افغانستان چلو۔ میں نے پھر پوچھا۔ حضرت کیوں؟ اس پر خاموش تو ہوئے لیکن چہرے سے ناراضگی کے آثار نہایت ہی نمایاں تھے۔ اب میں بڑا پریشان ہوا اور دعا میں مانگنے لگا کہ حضرت ایک دفعہ پھر مجھے حکم دیں اور میں بلا چون و چرا تسلیم کر لوں۔ خوش قسمتی سے میرے دن حضرت نے پھر فرمایا۔ عبید اللہ افغانستان چلو۔ میں بڑا اسرور ہوا اور تعمیل حکم کے لئے فوراً تیار ہو گیا۔

حضرت شیخ الہند سے خدمت ہو کر مولانا سندھ گئے اور سفر کے لئے چند رفقاء تیار کیے شیخ عبدالرحیم صاحب سندھی کی بیوی اور بھائی نے اپنا تمام زیور بیچ کر ان کے لئے زاد راہ دینا کیا۔ کوٹہ تک مولانا

کو پہنچا کر نقدی ان کے حوالے کی۔ اور مولانا بلوچستان کے راستے  
افغانستان پہنچے۔ مولانا نے اپنے اس سفر کے حالات بعد میں مکتبہ  
پہنچ کر تلخ بند کئے۔ یہ سفر نامہ مولانا کی تشریف آوری ہند سے چند سال  
پہلے ہندوستان پہنچا۔ اور مولانا تسنیم الحق کا ضل دیوبند وزارت کا ملاقات  
کی ہرانی سے اس کا نسخہ ہمیں مل گیا جسے آفرین کے سامنے پیش  
کرنے کا فخر ہم اس وقت حاصل کر رہے ہیں۔

سفر نامہ کے ساتھ مقدمہ کے طور پر جن اور جزیں شامل کی گئی ہیں۔  
پہلی جزیں مولانا سندھی دم کی مختصر سوانح ہے جو انہوں نے ہندوستان  
روانہ ہونے سے کچھ عرصہ پہلے مکتبہ تسنیم میں تلخ بند کی۔ اور ان کے ہشتکان  
پہنچنے پر شاہناہ میں شائع ہوئی۔ ہندوستان پہنچنے کے بعد کے کچھ مختصر  
حالات بطور تہ مرتبہ لکھے جڑے ہیں۔

دوسری جزیں مولانا حسین احمد دہلی صاحب کا ایک بیان ہے جو مولانا  
سندھی کی وفات کے بعد ان کے بعض امالی سے پیدا شدہ غلط فہمیوں  
کے انزال کے لئے انہوں نے شائع فرمایا تھا۔ یہ بیان مولانا سندھی کی سیرت  
پر ایک دوست اور رفیق کی ہمد پایہ تنقید ہے۔ اور اس سے سفر کا بل  
کے متعلق چند گوشوں کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

تیسری جزیں مولانا کیسٹن کی رپورٹ کا وہ حصہ ہے جو حضرت شیخ الہند

مرتبہ

کی تحریک اور مولانا سندھی کی جدوجہد سے متعلق ہے۔ کئی مواقع پر غلط  
ہونے اور صرف سرکاری نقطہ نظر کی وضاحت کرنے کے باوجود اس بیان  
سے مولانا سندھی کے سفر کا بل کے متعلق کافی معلومات کا اضافہ ہوتا  
ہے۔

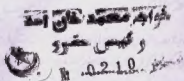
حضرت شیخ الہند دم کی تحریک کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے پہلے  
پاس سفر نامہ امیر شاہ (حضرت مولانا دہلی) اور سفر نامہ کا بل (حضرت  
مولانا سندھی) کے علاوہ اور کوئی مفصل کتاب موجود نہیں۔ مولانا سندھی  
نے شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک میں اس موضوع پر انگریزوں میں  
ایک رسالہ لکھوانے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے۔ مگر اس ارادہ کو عملی شکل دینے  
سے قبل ہی وہ حامل بن ہوئے۔ اس مہمان کے میکش ایک ایک کو کے اٹھ گئے  
ہیں۔ صرف دو بزرگ ہستیاں مولانا دہلی اور مولانا عزیز گل صاحب معلومات  
کے لئے آفری سہاؤ ہیں۔ مگر

اکھول کر ادراغ کر پرسد زباغبان  
بیل چرگفت و گل چرخیند صبا چر کرد

محمد عبدالقدوس قاسمی

لیاقت کا صاحب پینٹ پٹاؤ

یہ کتاب مغرب کی ترتیب اور دیر زب شکل میں پیش ہونے والی ہے۔



پرچہ ہیں وہ کہ غالب کون ہے  
کوئی بتلاؤ کہ ہم جس تائیں کیا

۱۔ ہمارے اخبارات میں میرے متعلق محبت آمیز مقالات شائع ہوتے ہیں۔ میں مقالہ نگار عزیمتوں کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن میری شخصیت اور ابتدائی تعلیم اور عام حالات میں اس قدر غش غطیاں موجود ہیں کہ میں بدون شرم عریض کئے پڑھ نہیں سکتا۔ اس لئے تصحیح کے لئے چند واقعات مختصر لکھنے پر مجبور ہوں۔

کتابہ معبد اللہ سندھی دیوبند میں قلعہ سیالکوٹ کے ایک گاؤں (چاڑوالی) میں خاندان اور مولد میں پیدا ہوا۔ ہمارے خاندان کا اصلی پیشہ زرکاری تھا لیکن عرصہ سے ایک عمدہ سرکاری ملازمت میں شامل ہو گیا اور بعض افراد

ساہراکارہ بھی کرتے تھے۔

میں عمر مسلمان غازی کے اتباع میں اپنا نام عبید اللہ بن اسلام لکھا کرتا اور بیعتِ عرب و دستوں کے اہل سے والد کی طرف شرب کر کے کھٹا پڑتا۔ تو عبید اللہ بن ابی عائشہ لکھا میری بڑی ہمشیرہ کا نام جو بی بی تھا جس نے ارادہ کر لیا ہے کہ اگر کسی نے اس سے زیادہ تصریح کے لئے کہا تو عبید اللہ بن ابی بن رائے کھول گا۔ میرے باپ دادا کا پورا نام رام سنگھ ولد چچا سنگھ ملنے ولد گلاب رائے ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے دادا اس کے حکومت میں اپنے گاؤں کے کاردار تھے۔

**پیدائش اور تہمتی** میں پرشب جمعہ قبل صبح ۱۲ محرم سن ۱۰۹۰ھ بمطابق ۱۷ ستمبر ۱۷۷۸ء میں پیدائش عجل باب چار ماہ پہلے فوت ہو چکا تھا۔ دو سال بعد دادا بھی مر گیا تو میری والدہ مجھے تنہا ہی لے آئی۔ یہ ایک خاص سنگھ خانان تھا میرے نانا کی تہمت پر بھی میرا والد سزا دیا گیا تھا۔

میرے دو ماہوں کا نام پوربنت ڈیرہ غازی خاں میں پڑھائی تھے جب انارک بڑا تو ہم ان کے پاس چلے آئے میری تعلیم سنہ ۱۱۰۰ھ سے جام پور کے ارادہ مثل سکول میں شروع ہوئی سنہ ۱۱۰۵ھ میں مثل کی تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ کراچیاں اسلام کے لئے گھر چھوڑ دیا۔ اس دوران میں دو سال کے لئے میں بشت یا کھوٹ میں رہا۔ اس لئے ایک سال اپنی جماعت سے پیچھے

رہ گیا۔ ورنہ اپنے سکول میں شروع ہی سے ممتاز طالب علم مانا جاتا تھا۔

سنہ ۱۱۰۵ھ میں مجھے سکول کے ایک آریہ سماج ورک کے

### مطالعہ اسلام

انہ سے تحفہ الہندی ملی میں اس کے مسلسل مطالعہ میں

معروف رہا اور اندریج اسلام کی صداقت پر یقین بڑھتا گیا۔ ہمارے قریب

کے پرائمری سکول (کوٹوال خٹاں) سے چند ہندو دوست بھی مل گئے۔ جو میری

طرح تحفہ الہندی کے گرویدہ تھے۔ انہیں کے توسط سے مجھے مولانا امین شہید

کی تقریرتہ ایمان ملی۔ اس کے مطالعہ پر اسلامی توحید اور بڑا بگ شرک

اچھی طرح سمجھ میں آ گیا۔ اس کے بعد مولوی محمد صاحبہ کھنکی کی کتاب حوالہ الہدیہ کھنکی

پنجابی ایک مولوی صاحب سے ملی۔ اب میں نے نماز سیکھ لی اور اپنا نام

تحفہ الہندی کے صنعت کے نام پر عبید اللہ بن محمد بن زکریا، حوالہ الاخرہ کا باب بار

مطالعہ اور تحفہ الہندی کا وہ حصہ میں میں نوسلوں کے حالات لکھے ہیں۔ یہی

دو چیزیں ملدی اخبار اسلام کا باعث بنیں۔ ورنہ اصل ارادہ یہ تھا کہ جب

کسی ذاتی سکول میں اگلے سال تعلیم کے لئے جاؤں گا تو اس وقت اخبار اسلام

کروں گا۔

۱۱ اگست سنہ ۱۱۱۰ھ کو کوٹوال علی اللہ کل کھنکھنڈا میرے

### اخبار اسلام

ساتھ کوٹوال خٹاں کا ایک رفیق عبدالقادر رضا ہم دونوں

عربی مدرسہ کے ایک طالب علم کے ساتھ کوٹوال رحم شاہ ضلع مظفر گڑھ میں

تین چار ماہ بعد میں غالب علی کے لئے رخصت ہوا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرت نے میرے لئے خاص عاقرباتی دعا کر کے کہ عبد اللہ کا کسی داسخ عالم سے ہلا کر شمشیر سے خیال میں غلامی یہ دعا قبول فرمائی اور اللہ رب العزت نے انھیں اپنے فضل سے مجھے حضرت مولانا شیخ الہند کی خدمت میں پہنچا دیا۔

**سید العارفین کی صحبت** مولانا شیخ الہند کی خدمت میں اس سید العارفین کے خلیفہ غالب علی کے ساتھ رہا۔ راست بہاول پور کی دیہاتی مساجد میں ابتدائی عربی کتابیں پڑھا۔ اس نقل و حرکت میں دین پر پہنچا۔ جمال سید العارفین کے خلیفہ مولانا ابوالسراج غلام محمد صاحب رہتے تھے۔ ہدایت النور ہو کر کتابیں میں نے ہیں مولوی عبدالقادر صاحب پڑھیں۔ حضرت خلیفہ صاحب نے میری والدہ کو خط لکھوایا۔ وہ انگلیں اودھیں لے جانے کے لئے بہت زور لگایا۔ مگر میں محمد اللہ ثابت قدم رہا یہ غلط ہے کہ میری والدہ دیر بند نہ بنی (شوال ۱۳۰۰ھ میں دین پور تحصیل خانپور سے کوٹلہ رحمت شاہ چلا آیا۔ اور مولوی عبدالرشید صاحب کا کافی پڑھا۔ میں ایک زوار طالب علم سے ہندوستانی طرز عربیہ کا حال معلوم ہوا۔ اور میں انھیں خط لکھ کر دے دیں۔ پھر مولانا ہو کر سید عابدیو بند پہنچا۔

**دارالعلوم دیوبند** میں قیام کر کے دارالعلوم میں داخل ہوا۔ جینا پانی جینے میں قیام کر کے دارالعلوم میں داخل ہوا۔ جینا پانی جینے میں قیام کر کے دارالعلوم میں داخل ہوا۔

پہنچے۔ اردو اور عربی میں سنت تعلیم اور اہل حق ان کے ہندو ہند جب میرے احوال تعاقب کرتے گئے تو میں سندھ کی طرف روانہ ہو گیا۔ مولوی صرف کی کتابیں میں نے راستہ میں اسی طالب علم سے پڑھا شروع کر دی تھیں۔

اللہ کی خاص رحمت سے جس طرح اجتہاد کی سید العارفین کی صحبت عربی اسلام کی سجد آسان ہو گئی۔ اسی طرح کی خاص رحمت کا اثر یہ بھی ہے کہ سندھ میں حضرت حافظ محمد صدیق صاحب دہر چوڑی حلسے کی خدمت میں پہنچ گیا۔ جہاں پہنچے وقت کے جلیلاور سید العارفین تھے چند ماہیں ان کی صحبت میں رہا۔ اس کا فائدہ ہمارا اسلامی معاشرت میرے لئے اس طرح طبیعت تاثیر بن گئی جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔ حضرت نے ایک روز میرے سامنے اپنے لوگوں کو مخاطب فرمایا: خدایا مولانا ابوالحسن امروٹی شریع کا ذکر کر گئے آئے گا کہ ان میں موجود تھے کہ عبد اللہ نے اللہ کے لئے ہم کو اپنا مال باپ بنایا۔ انھیں لکھ رہا کہ کی تاثیر خاص طور پر میرے دل میں محفوظ ہے میں انھیں اپنا مولیٰ باپ سمجھتا ہوں اور میں اس لئے سندھ کو مستقل وطن بنایا۔ میں ان کے قادیانہ کی رائے ہی طریقہ میں حضرت سے صحبت کر لی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے بڑے بڑے انسان سے بہت کم عروج ہوا ہوں۔

راستخیز فی اعلم دین علم سے جانتے ہیں۔

شوال مسئلہ سے تفسیر عیناوی اور دورۂ حدیث میں شریک ہوا۔

جانتے ترمذی مولانا شیخ الہند سے پڑھی اور سن الہاد و رکے لئے حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی خدمت میں گنگوہا پہنچا +

بیمار ہو کر گنگوہا سے واپس چلا آیا حکیم محمود خاں کے علاج جہان آباد و دہلی سے فائدہ ہوا۔ حدیث کی باقی کتابیں مولوی عبدالکریم صاحب پنجابی دیر بند سے جلدی جلدی ختم کیں۔ مجھے یاد ہے کہ سن ۱۲۸۱ھ اور سن ۱۲۸۲ھ میں نے چار چار دن میں پڑھی تھیں۔ اور سرتاجی دو گھنٹیں ختم کر لی۔

مولوی صاحب حضرت مولانا تاسم اور حضرت مولانا رشید احمد کے غیر معروف محقق شاگرد تھے۔ اثنائے قیام دہلی میں دودھ مولانا فخر حسین صاحب کی خدمت میں گیا۔ صبح بخاری اور جانتے ترمذی میں دو کتاب بھی سنے +

۲۰ جمادی الثانی ۱۲۸۳ھ کو دہلی سے سید صاحب مرحوم

حالات سندھ ضلع سکھر پہنچا اس تمام سفر میں آیا اڈا ڈالا ہوا۔

بہنیں اترا اور سہ چنیاں نہیں گیا، میرے مرشد میرے آنے سے دس دن

پچھے وفات پا چکے تھے۔ جب ۱۲۸۳ھ میں حضرت شیخ الہند جہان آباد

تقریر فرما کر بیچ دیا اور مولوی کمال الدین صاحب نے مجھ سے سن ۱۲۸۱ھ

اور طرح جامی مولانا حکیم محمد من صاحب سے پڑھی۔ ایک فاضل آستانہ دکنی ہونے سے طرہ مطالعہ لکھ لیا اور محنت سے ترقی کا راستہ کھل گیا۔

حکمت و منطق کی کتابیں جلدی طبع کرنے کے لئے چند ماہ مولانا احمد حسن کاشمیری کے مدرسہ میں چلا گیا۔ اور پھر چند ماہ مدرسہ عالیہ رام پور میں رہ کر مولوی ناظر الدین صاحب سے کتابیں پڑھ لیں۔ اس طرح صرف مسئلہ کو پیر و پیر پڑھا پس آگیا۔

دیر بند دو تین چھتے تک مولانا حافظ احمد صاحب حضرت مولانا شیخ الہند سے پڑھتا رہا۔ اس کے بعد مولانا شیخ الہند کے مدرسہ میں شامل ہو گیا۔ مسئلہ کو ہدایہ ترویج مطبوعہ اشرح عقائد اسلام الشریعت و احکام دیا اور امتیازی نمبروں میں کامیاب ہوا۔ مولانا سید احمد صاحب ہونے کے بعد اس کے اولے میرے جوابات کی بہت تعریف کی۔ فرمایا: اگر اس کو کتاب میں میں لکھتا ہوں۔ عبدالحق بنی ہو گا +

چند دوستوں نے بشیرہ خواب دیکھے ہیں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور نام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی خواب میں دیکھا۔

مستان شریف میں مولانا فقہ کا ایک رسالہ لکھا۔ جسے شیخ الہند نے پسند

فرمایا۔ اس میں بعض مسائل اس طرح تحریر کئے جن میں جہود اہل علم کے خلاف محبتیں

اور حسد کو ترجیح دی تھی۔ مسئلہ تاویل الیقین بہت ناممکن الحصول نہیں بلکہ



پڑھی۔

شوال ۱۳۰۲ھ سے سید العارفین کے  
سید العارفین کے دوسرے خلیفہ دوسرے خلیفہ مولانا ابوالحسن تاج مٹو  
صاحب کے پاس اردو شیعہ سکھر میں چلا گیا۔ انہوں نے اپنے مرشد کاوند  
پورہ کر کے کیا میرے لئے ہنزہ باپ کے تھے میرا علاج سکھر کے اسلامیہ  
سکول کے ماسٹر مولوی محمد عظیم خاں بوسٹ زئی کی دکان سے کرایا میری والدہ  
کو پایا۔ وہ میرے پاس اخیر وقت تک میرے طرز پر رہیں میرے مطالعہ  
کے لئے بہت بڑا کتب خانہ جمع کیا۔ میں ان کے نقل و طبعت میں مسند  
ایک اطمینان سے مطالعہ کرتا رہا۔

کتب خانہ پیر صاحب العلم  
گوٹھ پر چوندا ضلع حیدرآباد میں رشیدی  
طریقہ کے پیر صاحب العلم کے پاس علوم  
وہ پیشہ کا کتب خانہ تھا میں دوران مطالعہ میں وہاں جاتا رہا اور کتابیں مستعار  
بھی لاتا رہا میرے تکمیل مطالعہ میں اس کتب خانہ کے فیض کا بڑا دخل تھا۔  
اس کے علاوہ مولانا رشید الدین متا  
حضرت پیر صاحب العلم کی صحبت  
علم الہیات کی صحبت سے مستفید  
ہوا۔ میں نے ان کی کتابیں دیکھیں۔ نوکراساء الحسبی میں نے انہیں سے سیکھا  
وہ و عورت توحید و جہاد کے ایک مجدد تھے۔

حضرت مولانا ابوالتراب رشید صاحب العلم الاربیع سے علمی صحبتیں  
رہیں۔ وہ علم حدیث کے بڑے جید عالم اور صاحب تصانیف تھے۔ ان کے ساتھ  
قاضی فتح محمد صاحب کی علمی صحبت بھی ہمیشہ یاد رہے گی  
میں نے ان سے ایک نعت علمی جبر کا  
میرا علمی تحقیق کا مرکز  
شکر یہ کہ انہیں کر سکتا ہے کہ فقر و عیبت  
کی تحقیق و تطبیق میں اور ایسا ہی قرآن عظیم کی تفسیر میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب  
دیوبندی سے شروع کر کے امام ولی اللہ دہلوی کے سلسلہ علمائے برہنہ اور  
ان کو میں نے اپنا امام بنایا۔

مجھے اپنی علمی و سیاسی ترقی میں اس سلسلہ سے باہر جانے کی ضرورت پیش  
نہیں آئی۔ اس سے میری تمام کوششیں ایک اصل پر منظم ہو گئیں۔ اور میں اسلام آباد  
غلامی سمجھنے کے قابل ہو گیا۔

میں نے وہی میں قبلہ کا مطالعہ کیا۔ اس کے ماریف میری روح سے چوت  
ہو گئے۔ حدیث کی تحقیق میں حجۃ اللہ کا تعارف مولانا شیخ الہند جیلے کرایا تھا۔ آفر  
میں اس طرح کے مطالعہ سے مجھے اطمینان نصیب ہوا۔ میں نے علماء کو حجۃ اللہ لایا  
پڑھائی اور کافی عرصہ بعد حضرت شیخ الہند سے پڑھی۔

اس عرصہ میں طریقہ قادریہ اور نقشبندیہ مجددیہ کے اشنال و  
طریقہ قادریہ  
ڈاکٹر بھی حسب الاستطاعت حضرت سید العارفین کے

بعض مسائل چارہ کے ضمن میں ہماری اس چاہت کا بھی ذکر آیا۔ حضرت مولانا نے اسے بہت پسند فرمایا اور چند اصلاحات کا مشورہ دے کر اسے اتحاد اسلامی کی ایک کڑی بنا دیا۔ اس کام کو جاری رکھنے کی وصیت کی۔ اس کے بعد میری تعلیمی اور سیاسی تمام مشاغل حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے وابستہ رہے۔

دارالرشاد کو ٹھہر کر چھٹی

امروٹ وہیں آکر میں نے مطبعہ قائم کیا اور دوسرا تک چلایا۔ بعض عربی و ہندی نایاب کتابیں ملنے ہوئیں اور ایک ماہوار رسالہ ہدایت الاخوان چھپتا رہا۔ اس کے بعد مدرسہ بنانے کی کوشش جاری کی۔ محسوس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ہمارا کام بغیر مدرسہ کے چل نہیں سکتا تھا۔ اس لئے دوسری جگہ کی تلاش میں تھا۔ کہ حضرت مولانا ماشاء اللہ صاحب العلم الزلیح نے ۱۳۲۸ھ میں میری تجویز کے موافق مدرسہ بنانے کا ارادہ کیا۔ یہ نام بھی میری تجویز سے متعلق تھا جس میں شریک ہو گیا۔ سات سال تک ملٹی وائنٹھی کامل اختیارات کے ساتھ کام کرتا رہا۔ کابرعلماء میں سے حضرت مولانا شیخ الہند اور حضرت مولانا شیخ حسین بن مہسن یانی امتحان کے لئے تشریف لائے۔ اس مدرسہ میں بھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت خواب میں کی اور امام اکابر کو بھی خواب میں دیکھا۔

۱۳۲۹ھ میں حضرت شیخ الہند نے دلیو طلب فرمایا اور بفضل حالات سن کر دلیو بندہ کر کام جمعیتہ الانصار دلیو بند

خلیفہ اعظم مولانا ابوالسراج دین پوری سے سیکھتا رہا۔ اگر میری کوئی دنیاوی ضرورت امروٹ میں پوری نہ ہوتی تو دین پور سے حاصل کر لیتا۔ اس طرح مجھے اپنے مرشد کی چاہت سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔

میرا سیاسی میلان

مدرسہ ان مطالعہ میں مولانا محمد امجد علی شہید کی سبھی دیکھی۔ اس میں مطالعہ کی ابتداء سے ملے تعلیمی مولانا مرحوم سے پیدا ہو چکا تھا۔ دلیو بند کی طالب علمی نے بہت سے واقعات اور نکایات سے آشنا کر دیا تھا۔ مولانا عبدالکریم دلیو بند نے سقوط مملکت کی تاریخ اکھنول دیکھی تادی تسمی۔ میرا داغ بچپن سے خاندانی عورتوں کی صحبت میں تھا۔ پنجاب کی کلیف وہ حالات سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں ایک قسم کا انقلاب آیا۔ چھ بچہ لاکھ لاکھ کے لئے سوچا تھا۔ اس بچہ کے لئے سوچنے لگا۔ مولانا شہید کے کتبہ ہست میں سے ایک مضمون لے کر میں نے اپنا مختصر سیاسی پروگرام بنالیا۔ وہ اسلامی بھی تھا اور انقلابی بھی۔ مگر ہند کے باہر مسلمانوں کی تحریک سے اسے کوئی تعلق نہ تھا۔ میں نے پختہ اللہ پٹنہ والی جماعت کو اس میں شامل کر لیا۔ مولانا طرح اپنے خیال کے موافق آہستہ آہستہ کام کرنا شروع کر دیا۔

۱۳۳۰ھ میں دلیو بند بنیا۔ اپنے مطالعہ کا مؤثر دور تھا۔ محاورت دلیو بند لکھ کر ساتھ لے گیا۔ ایک علم حدیث میں اور دوسرا فقہ حنفی میں حضرت مولانا نے دونوں رسالے پسند فرمائے۔ اس واقعہ میں بارہ حدیث کی مشہور کتابوں کے اطراف سا کرو یا رہ شہنا اجازت حاصل کی۔

آئے اور فاکٹر انصاری سے میرا تعارف کر لیا۔ فاکٹر انصاری نے مجھے مولانا  
ابوالکلام اور محمد علی رحوم سے ملنا ساس طرح تعینا دو سال مسلمان بننے کی اعلیٰ  
سیاسی طاقت سے واقف کر لیا۔

۱۹۱۵ء میں شیخ الہند کے حکم سے کابل گیا۔ مجھے کوئی مفصل  
ہجرت کابل پر درگرم نہیں بتایا گیا تھا۔ اس لئے میری طبیعت اس ہجرت  
کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن تعمیل حکم کے لئے جانا ضروری تھا۔ خانہ اپنے فضل  
نے بچنے کا راستہ صاف کر دیا۔ اور میں افغانستان پہنچ گیا۔

دہلی کی سیاسی جماعت کو میں نے بتلایا کہ میرا کابل جانا طے ہو چکا ہے۔ انہوں  
نے بھی بچلنا نماندہ بنا یا اگر کوئی مقبول پروگرام وہ بھی بتلا سکے۔

کابل جا کر مجھے مسلم نواک حضرت شیخ الہند قدس سرہ جس جماعت کے نمائندہ  
تھے اس کی پچاس سال کی مصلحتی کے حاصل میرے سامنے غیر منظور شکل میں تعمیل حکم  
کے لئے عیاں رہیں۔ ان کو میرے جیسے ایک خادم شیخ الہند کی اشد ضرورت تھی۔  
اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہند کے اس انتخاب پر پھر محسوس ہونے لگا۔

میں سات سال تک حکومت کابل کی شرکت میں اپنا بندوبست کام کرتا رہا  
۱۹۱۹ء میں امیر صیب اللہ خاں نے ہندوؤں سے مل کر کام کر کے لا حکم دیا۔ اس  
کی تعمیل میرے لئے فقط ایک ہی صورت میں ممکن تھی۔ کہ میں انڈین نیشنل کانگریس

میں مل کر قیادت کے لئے شروع میں عرض رقبہ کو دلچسپی لیجئے!

کر کے کہنے سکھ دیا اور فوٹو لایکے ساتھ سندھ کا تعلق بھی قائم رہ گیا۔ چار سال تک  
جمعیۃ الانصار میں کام کرتا رہا۔ اس جمعیۃ کی تحریک تاسیس میں مولانا محمد صادق  
صاحب سندھی اور مولانا ابو محمد احمد لاہوری اور عزیز مولوی احمد علی میرے  
ساتھ شریک تھے۔

۵۱۶  
۵۲۰  
نظرۃ المعارف دہلی حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے میرا کام دہلی  
سے دہلی منتقل ہوا ۱۳۲۱ھ میں نظارۃ المعارف  
تاکم ہوئی۔ اس کی سرپرستی میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ حکیم جمل خاں اور  
نواب قدار الملک ایک ہی طرح شریک تھے حضرت شیخ الہند نے میں طرح چار  
سال دہلی نہیں رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کر لیا۔ اسی طرح دہلی پہنچ کر مجھے  
لوجران طاقت سے قانا چاہتے تھے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے دہلی تشریف لے

ملے ملاحت دوست کی کتابیں مولانا سندھو نے اپنی تلخ واقعات کا تذکرہ یہاں نہیں فرمایا مگر  
میں نے ہندوؤں سے لے کر ایک جگہ۔ دہلی کی شہریت میں ان کی ہفت اشارہ موجود ہے۔ دین کا حق  
ہو کہ اگر وہ شہر شہر اب اتہام نے ان کی سیاسی سرگرمیوں کو روکنے کے سلسلے میں چند سال کو  
جنگ کر کے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور انہیں مدد سے ایک کیا جس کے بعد مولانا دہلی چلے گئے اور  
جس کو وہ قتل کر کے مولانا شیخ الہند کو جلیات کے مطابق کام کر رہے۔ انھی واقعات کی طرف  
اشارہ کرتے ہوئے مولانا ارشد شاہ دہلی نے مولانا سندھی کے حکم کو منسوخ کیا۔ یہاں سے کہنا  
دہلی کے لئے انہیں خود قتل کی وجہ سے میں آپ کے لئے تکلیف کا باعث بنا تھا۔ اب میرے مطابق  
آپ کے لئے کوئی رنج نہیں میرے کہ آپ بھی صاف فرمائیں گے۔

اور شملت بھی سوم سوڈن دوس کا ہمیشہ ممنون اور مشکور رہا۔ اگر ان میں  
 طاقتوں کی مدد مجھے مذمتی تو میں اس شخص اور امتیاز کو کسی حاصل نہ کر سکتا۔ واللہ  
 الحمد للہ وحمد کا۔

**حیدر ترکی** ۱۹۲۳ء میں انقرہ پنچا بیر سے نئے سفر ترکیا متعین ماسکو  
 وزارت خارجہ ماسکو مل کر سفر کا دستہ معین کر دیا تھا  
 اور برطانوی کارندے اس کا پتہ نہ لگا سکے یہ غلط ہے کہ میں استنبول اس زمانہ میں  
 پنچا جب برطانیہ و فرانس اس پر متباحق تھے تقریباً تین سال ترکی میں رہا ہوں۔  
 میں نے تحریک اتحاد اسلام کا تاریخی مطالعہ کیا۔ مجھے متقبل خیر میں اس کا کوئی  
 مرکز نظر نہیں آیا۔ اس لئے میں نے ترکوں کی طرح اپنی اسلامی مذہبی تحریک کو انہیں  
 نیشنل کانگریس میں داخل کرنا ضروری سمجھا اور کانگریس میں اپنے اصول کی ایک  
 پارٹی کا پروگرام چھاپ دیا جس سے میری مذہبی تحریک سرب ایک مخالفت انقلاب  
 سے متضاد رہ سکتی ہے +

**ہمارا پروگرام** ہر پ کو اس طرح اسلام کا تعارف کرنے میں میسر نہ آیا  
 ہے کہ میں اپنے استاد افاضیہ اور شیخ امام مولانا محمد  
 صاحب دیوبند کی ایک تعلیمی خواہش کو عملی جامہ پہنا ہوں۔

اس پروگرام کو ترکیا پر پس سے شائع کرنے کے لئے انقرہ گورنمنٹ کی اجازت  
 حاصل کی گئی۔ وزارت خارجہ نے وہ مختلف ترجموں سے ترجمہ کرانے جب تک

میں شامل ہو جاؤں اس وقت سے میں کانگریس کا ایک داعی بن گیا۔  
 یہ بات عجیب معلوم ہوگی کہ امیر صاحب مرحوم اتحاد اسلام کے کام سے متضاد  
 کام کو زیادہ پسند کرتے تھے۔

۱۹۲۳ء میں امیر امان اللہ خاں کے مد میں میں نے کانگریس کمیٹی کا بل بنائی۔  
 جس کا الحاق ڈاکٹر نصاریٰ کی کوششوں سے کانگریس کے اجلاس میں منظور کر  
 لیا۔ برٹش ایمپائر سے باہر پہلی کانگریس کمیٹی ہے اور میں اس ہفتہ محسوس کر  
 سکتا ہوں کہ میں اس کا پہلا پریذیڈنٹ ہوں۔ ص ۶۳

۱۹۲۳ء میں ترکی جاتا ہوا سات ہینڈ ماسکوں رہا۔  
**سیاحت روس** سر شوم کامرلاد اپنے فوجان فیقول کی مدد سے کونا  
 راک چوکنیٹیل کانگریس سے تعلق سرکاری طور پر ثابت ہو چکا تھا۔ اس نے سوڈ  
 روس نے اپنا مزدور ہوان بنایا اور مطالعہ کے لئے ہر قسم کی سہولتیں ہم پہنچائیں۔  
 یہ غلط ہے کہ میں لیکن سے ملا کامریٹین اس وقت ایسا سمجھا کرتا کہ اپنے توحی  
 دوستوں کو بھی نہیں پہچان سکتا تھا +

میرے اس مطالعہ کا نتیجہ ہے کہ میں اپنی مذہبی تحریک کو جو امام ولی اللہ دہلوی  
 کے فلسفہ کی ایک شاخ ہے اس زمانے کے لادینی حملے سے محفوظ کرنے کی تدابیر  
 سرچنے میں کامیاب بنائیں اس کامیابی پر اول انڈین نیشنل کانگریس دوم اپنے  
 ہندوستانی فوجان تھا جن میں ہندو بھی شامل ہیں اور مسلمان بھی اس شملت بھی۔

مقام میں نے جہاڑ گورنمنٹ کو یقین دلایا کہ یہاں میں کوئی سیاسی پروپیگنڈا نہیں کروں گا۔ اس وجہ سے میں ایک طرح محفوظ ہو گیا۔ اگر کسی کسی جہودی اہلاد کی میں نے درخواست کی تو حکومت نے اُسے پورا کر دیا۔ میرے اپنے طور پر رہنے میں اولیاء امور خارج نہیں ہوئے۔ اس لئے وہ میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا دعا کے مستحق ہیں۔ جنہا ہم اللہ خیرا۔

مجھے اہل کمریس تے تین ہندوستانی اور ایک علماء مکہ سے استفادہ عرب خاندان نے خاص طور پر ملی اہلادی سب سے پہلے شیخ عبدالوہاب دہلوی (حاجی علی جان والے) دوسرے عبدالحق بن عبدالحق دہلوی (مروجہ تیسرے ابو الشرف مجددی) ان کے کتب خانوں سے میں نے استفادہ کیا۔ عرب خاندان سے میری مراد شیخ محمد بن عبدالرزاق بن حزمہ شیخ الحدیث، مکہ اور شیخ ابوالسعید عبداللہ ہارام الاحرم کا خاندان ہے۔

میں یقیناً ۱۲-۱۳ سال سے قرآن عظیم اور حجتہ اشدا لہ میرا علمی مشغلہ کا بنظر حقیق مطالعہ کرتا رہا تفسیر قرآن عظیم میں جس قدر مقامات میرے لئے مشکل تھے اس زمانہ میں انہیں امام ولی اللہ دہلوی کے اصول پر بالاطمینان حاصل کر سکا جو لوگ میری طرح امام ولی اللہ دہلوی کو نہیں مان سکتے ان کو مطمئن کرنے کا دعویٰ میں نہیں کر سکتا۔

لیکن مجھے اپنے اصول پر قرآن عظیم میں اس زمانہ میں قابل عمل تعلیم کا ایک

میں کا حرفت نہیں پڑھا۔ احادیث نہیں دی بعض ہندو دوست اسکو نہیں پڑھ سکتے تھے۔ ان کی سہولت کے لئے میں نے اس کا انگریزی ترجمہ شائع کر دیا ہے۔ استنبول میں لالہ حبیب رائے سے تبادلہ افکار ہوا۔ اور ایسا ہی ڈاکٹر انصاری سے اچھی طرح باتیں ہوئیں۔ ہمارے بزرگ نہ اسے مان سکتے تھے۔ نہ اس کا دلچسپی تھا۔ تباہ کئے ہیں۔ اور کوشش کریں گے کہ ہمیں ہزاروں ہزار پہلے زمانہ میں لاکھ لاکھ دیں۔ البتہ نڈت جہاں لالہ ہرنو نے ایک آدمہ فقرہ اس کی پسندیدگی کیا ہے۔ وہ میرے لئے باعث سرور ہے۔

میں نے اپنے پروگرام میں عدم تشدد کو مزوری قرار دیا ہے۔ جس میں تمام گاندھی کے اصولوں میں عدم تشدد کو اخلاقی اصول قرار دیا۔ لیکن اس بنا پر تشکیل دینا کی تفہیم اور اس کی اہمیت میں نے گاندھی جی سے سیکھی ہے۔ گاندھی جی نے مجھے صرف کچھ حدیث مسطورہ و اشکام کی تعلیم یا مولا دی میں جانتا ہوں کہ اسلام کے لئے دعویٰ اس اصول سیاسی پر عمل ہوتا ہے۔ کلمۃ الحکمتۃ خالدا لہ المؤمنین حجتہ وجد ما فوجا حقیقہا۔

ص ۶۱۲

۱۳۲۵ھ موسم حج پر بحرہ مصطفیٰ میں مؤخرہ فتح منعقد ہوئی۔ مگر معظمہ میرے تمام دوست اس میں آ رہے تھے۔ میں نے بعض دن سے ملنے کی خاطر ان کے راستے سے کوٹھک پہنچنے کی کوشش کی۔ مگر میں دوسرے ختم ہونے کے بعد صفر ۱۳۲۵ھ میں پہنچا۔ میں اپنی پوزیشن صحیح طور پر پہچانتا

کی پوری عقلی تشریح ممکن ہو۔ اس کے بعد تمام مذاہب عالم اور ان کی کتب مقدسہ کی تحقیق و تطبیق اس اصول پر آسان ہو جائے اور انکے من فضل اللہ والہ ذوالفضل العظیم

۱۹۳۷ء میں انڈین نیشنل کانگریس نے میری مذہبی **مرحمت وطن** کے متعلق کرشمہ شروع کی۔ اور میرے تمام دوست اس کی تائید میں کام کرتے رہے۔ اس میں سیاسی مسلک کے اختلافات کا کوئی فرق نہیں رہا۔ اس طرح کی کوششوں کا نتیجہ نکلا۔ کیمجے یکم نومبر ۱۹۳۷ء کو اجازت واپسی وطن کی اطلاع ملی اور یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو پاسپورٹ دینے کا فیصلہ معلوم ہوا۔ حج کا موسم سر پر آگیا۔ اس سلسلے میں اس کے بعد سے فراغت پر واپسی کا ارادہ ہے (واما لفرق) ہندوستان میں پروگرام قریب قریب ہوا۔

(۱) انڈین نیشنل کانگریس کا معمولی مرتبہ رہوں گا تاکہ عدم تشدد کے متعلق میری ذمہ داری میرے قومی قانون کے اندر مضبوط رہے۔ اور میں پریشان دوستوں کے مشوش حرکات سے محفوظ رہ سکوں لیکن کانگریس کی کسی پارٹی کے عملی حصہ میں شرکت نہیں کروں گا۔

(۲) میرا محبوب شغل فلسفہ امام ولی اللہ کی تعلیم و اشاعت ہوگا۔ میں

عملی نصاب نظر آیا۔ اس میں اس متجلی ریز مقدس مقام کی تاثیر ضرور ملنا پڑتی ہے۔

میں نے امام ولی اللہ دہلوی کی مشہور کتابوں کا خاص طور پر مطالعہ جاری رکھا۔ مثلاً بدور باخیر کثیر، تفسیرات الہیہ، سلطنت، الطاف القدس، احکام وغیرہ۔

ان کی کتابوں کے لئے بطور محتاج میں نے مولانا رفیع الدین دہلوی کی کتاب الاذان اور مولانا اسماعیل شہید کی طبقات اور مولانا محمد قاسم کی تالیف عقائد و مذہب و دین اور آپ حیات کو استعمال کیا۔

مجھے لوگوں کے پریشانے کا بھی موقع ملتا رہا۔ اور ساتھ ہی علامہ سید قرآن رحمہ اللہ کی ماری رہی۔ اس سے میری نظریات بہت وسیع ہو گئیں۔ اللہ الحمد۔ امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اندسہ مجھے بہت متاثر دیا جس کے میں امام ولی اللہ دہلوی کو شک کا بہت مستقل فہم کروں۔ اور امام عبدالعزیز دہلوی اور مولانا رفیع الدین دہلوی کو اس حکمت کے منتسب اور مولانا اسماعیل شہید اور علامہ محمد قاسم کو جہتہ فی الذہب کے مرتبہ تسلیم کروں۔ تو میں اس حکمت کا سکول قائم کر سکتا ہوں جس میں (الف) قرآن عظیم (ب) سنت (ج) حدیث (د) فلسفہ و منطق (ه) اخلاق (و) تفسیر (ز) تاریخ اسلام

۱۔ اعلیٰ طبقہ اہل علم کو اس طوفان متوجہ کرتا رہوں گا۔ اس میں دینی عالم اور  
 دانشمند دونوں مخالف ہوں گے۔ اگر کوئی غیر مسلم ہندو بھی آزاد منش  
 اور کلمہ لا سنا پسند کرے گا تو اس کی پوری اولاد کو ہوں گا۔

۲۔ جب کہ بھی حالات مناسب پیدا ہوئے تو میں مشن کا گریس میں فلسفہ  
 و اندک کی روشنی میں اقتصاد ہی اصول پر اپنی مستقل پارٹی تشکیل کرونگا۔  
 (۱) بے استعانت و آخر دھونا ان الحمد للہ رب العالمین

حبیب اللہ

جہاں الحصولتید  
 بلذ الله الحرام



مولانا سیدی کی سند سبب بالاسوانح ان کی اپنی  
تحریر کو وہ ہے جو ہندوستان روانہ ہونے  
سے پیشتر کہ معتقلہ میں معرضِ تحریر میں آئی  
بعد کے واقعات کا اجمال یہ ہے -

ہندوستان آنے کی تمنا کیوں تھی اگرچہ مولانا کا والد ۱۹۳۸ء میں ہی بریتانیا  
کی بنائے ہوئے کانگریس پارٹی میں شامل ہوئے تھے اور وہ ۱۹۳۹ء میں سرزمینِ عرب کے مدد  
میں تھے۔ مولانا نے ایک خاص مقصد اور احیاءِ اسلام کیلئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ اور ان کی  
کمر ہر جگہ پرانے کے مطالعہ اور ان کے تصورات کا محور اسی مقصد کا حصول تھا۔ مولانا  
وگو و پیش کے افکار کا مطالعہ و تنقید اور وسیع عمر کے غور و فکر کے بعد بے شک و محرم میں  
انہوں نے اپنے طور پر ایک نظام کا رستہ بن کر لیا تھا۔ اور ہندوستان کی تباہی میں صوفیہ  
تعلیم کو یہاں ان کو اپنے افکار کے پس منظر اور ایک صالح جماعت کے تیار کرنے کا موقع مل گیا  
چنانچہ پچیس سال کی جلاوطنی کے بعد حبيب آپ ہندوستان آنے کیلئے کہہ کر مکرہ سے  
رہنہ ہوئے تو آپ کی جمیعت ات تھی۔ دیکھئے اللہ کا بیان ہے کہ مولانا پر اس وقت غیر معمولی  
تعلیمی کیفیت طاری تھی جو ان میں رہتے ہوئے بارہ سال ہو گئے تھے۔ ایک طرف ان



عقیدت مندوں میں وہ لوگ بھی تھے جو مولانا احمد علی اور خواجہ علی گیلہ صاحب کے واسطے سے ان کے تفسیر قرآن سے متاثر ہوئے تھے اور وہ بھی تھے جن کو ان کے سیاسی رجحانات اور ماضی کے رجحانات کی وجہ سے ان سے عقیدت تھی چنانچہ مولانا کی آمد پر مختلف سیاسی افراد اور جماعتوں نے ان کا گرجا مٹی سے نیا بنوایا۔ اور دارالعلوم و لبرل اور جامعہ مدینہ کے بہت سے طلبہ ان سے وابہانہ محبت کا اظہار کرنے لگے۔ مگر مولانا کے پچیس سالہ مطالعہ اور تدبیر نے ان کے اور قوم کے عام ذہن و فکر کے درمیان ایک بہت بڑی بیخ میس کر دی تھی اور جوں جوں مولانا اپنے مخصوص نگار و مباحثات کا اظہار کرنے لگے عقیدت مندوں کا یہ جگمگا سہٹا گیا۔ اور مسلم لیگ کانگریس، احرار اور جمعیتہ العلماء میں سے ہر ایک جماعت نے مولانا کی خدمات سے اپنی جماعت کو الگ رکھنا ہی مقصد سمجھا۔ جہاں تک سمجھ یا دے مولانا نے صرف سندھ کانگریس کمیٹی اور بنگال، جمعیتہ العلماء عربہ کے دو مقامات پر مسلسل کی صدارت کی اور جس اس کے بعد مولانا نے اپنی الگ راہ لی اور عام شاہراہوں سے الگ ہو گئے۔ مولانا جو شیخ مجتہد انقلاب تو تھے ہی۔ چراغ سحری "سورنہ کے قلعہ" نے ان کی طبیعت میں جھلٹ اور پھیر چید کر رکھی تھی۔ اور یہ اس نظام کو فروزاؤنے کے حق میں تھے۔ جوں کے خیال اور ان کے مطالعہ کے مطابق ملک اور مذہب کے مستقبل کے لئے منہ بند نہ تھا۔ وہ کانگریس کی تنہا سی قیادت اور دیگر اسلامی

کہہ دئے کا قتل تھا۔ اور پھر وطن کی راحت و جذبات میں تا ملہ پیدا کر کے ایک سنگت  
 بزرگ و مفرد بہت بڑے عالم میں۔ اور ان کا خاندان مستقل طور پر حجاز میں بس گیا ہے  
 اور ان کے کاروبار کا وسیع سلسلہ ہے۔ یہاں سال کے عرصہ میں شاید ہی کوئی دن ہوگا کہ  
 مولانا کی صاحبزادی سے ملاقات نہ ہو۔ پھر آپ مولانا کے ساتھ بھی تھے اور ایک  
 لحاظ سے شاگرد بھی ہوگا۔ اور اصرار تھا کہ مولانا بہت لحاظ میں ہیں لیکن مولانا سمجھتے تھے  
 کہ ان کا وطن واپس جانا ضروری اور مفید ہے۔ ان دنوں بزرگوں کی آخری ملاقات بڑی  
 رات آگوست تھی۔ حضرت محمد تھے وقت مولانا نے ان سے فرمایا کہ میرے غیر ترازو پر یقین اور  
 حیدر ہے کہ اسلام کا مستقبل بڑا روشن اور شاندار ہے۔ بیشک اسلام پوری قوت و رونمائی  
 کیساتھ ایک بار پھر ابھرے گا لیکن غارت میں آگ ڈھا چھو نہیں ہوگا جو اس وقت ہے۔  
 مجھ جیسا کہ اس بات پر یقین ہے کہ اسلام ابیکبار پھر ابھرے گا۔ اسی طرح میرے بھی یقین آ  
 کہ ہمارے عروج و شہسوار چاندوں کی چیز ہے۔ اسلام کو اپنا ایک نیا ڈھانچہ بنا کر  
 اور مسلمان اسے بخندہ جلد بنائیں۔ تیرے ہوگا یہ حقیقت ہے میں جو مجھے کئی کئی سال  
 پہلے بتا کر چاہے ہیں میں اب چرخ محوی ہوں خدا معلوم نہنگ کے چند دن اور  
 ہونگے۔ چاہتا ہوں مرنے سے پہلے اپنی قوم کے کافرانیک یہ حقیقت پہنچا دوں۔  
 منہ و ستان میں آ جاؤ۔ الغرض یہ تھا میں نے کہ وہ اچھے مسلمان ہیں اور  
 سیاسی جامعہ میں سے تعلق کے سال پرزے کراچی، لاہور، یونیورسٹی میں  
 دکھانے اور استقبال کیا گیا۔ قوم کو ان کے وطن کو قوم کے بڑی بڑی ترقاہ دہانہ تھیں وہ  
 ملے مولانا عبداللہ پڑھنے سے مراد سرد ۱۸۷۸ء۔

ایک محدود

جہاں قبول کی قدامت پسندی سے نا اہل تھے ہی۔ ننگہ ستر تعلیم کی حمایت  
سکندر کی فرجی بھرتی کی ملازمت، اشتراکی نظریوں کی تعریف، اکیبر کے دین  
الہی کی تاویل، نیٹ اور نیک اور روسیہ خط کے پرچارنے ان کے اپنے دیرینہ  
دوست بھگوان کران سے توڑ دیا اور مولانا مٹھی جیسے شخص اور ستمی رشتہ کو بھی ان  
کی فضا کے بعد ان کے متعلق اس رائے کا اظہار کرنا پڑا کہ مولانا کے انکار  
میں بے ترتیبی پیدا ہو گئی تھی۔ اور ان کی طرف منسوب شدہ انکار و صحت اس وقت  
قابل قبول ہیں جب اصل دین سے ان کی مطابقت قائم ہو جائے۔

مولانا کا مخصوص پروگرام، اور اس پیشتر ہی مولانا نے ہندوستانی  
کی تکمیل یعنی تربلہ ہندو ساگر پارٹی پروگرام کے تین حصے کر کے تھے  
سارگیس کی مہر، شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی تلقین اور کانگریس میں اپنی پارٹی  
کا قیام ہندوستان پہنچے پر مولانا نے اپنے پروگرام کے تیسرے جز کو جو تھا  
خدا ہندو ساگر پارٹی کے نام سے روشناس کیا۔ اس پارٹی کا نصب العین  
ان کی کتاب شاہ ولی اللہ اصفہان کی سیاسی تحریک کے آخری وقت پر ہندو  
ہند اور لاہور ہندو ہیں اس کی شافعی بھی موجود ہیں۔ مغربی پارٹیوں کے  
تھام کے لئے جس گم ہوئی اور سرگرم جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ  
مولانا کی زندگی میں مولانا کو یہ مل سکی۔ اور اس پارٹی کا وجود صرف غرض کے ننگ

پروگرام کے پہلے جز کا کانگریس کی مہر کے متعلق مولانا  
شرکت کا کانگریس برعکس میں فروغ دے رہے کہ مجھے نیشنل کانگریس سے محبت  
سے کیونکہ دنیا کی نظریں وہ ہمارے ملک کی معرزیاسی مجلس ہے میں سرور  
سترو برس کا کانگریس میں کام کرتا رہا ہوں۔ مولانا نے ہر خطبہ اور مجلس میں اس  
حقیقت کا اظہار کیا کہ ہندوستان کا اور مسلمانوں کا فائدہ ہندو مسلمانوں کی  
مشترک سیاسی جدوجہد اور کانگریس کو صحیح فائدہ جماعت بنانے میں ہے۔  
ایک واحد سیاسی جماعت کی ضرورت اس لئے انہوں نے محسوس کی، کہ کل  
ہندوستان کی ریاست اور وحدت کا نظام ایک ہی طرز پر قائم ہو ہے ان کے  
خیال میں ایک جمعی اور امن قائم کرنے کے لئے ضروری تھا۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی  
ملاقات میں کل ہندوستان کی نمائندگی کے لئے ایک جماعت کا ہونا ضروری تھا۔  
بصورت دیگر ہندوستان کے لئے دوسری قروں کے سامنے ذات و رسوائی کے علاو  
دوبارہ فلاحی کا خطرہ ہے۔ یہ واحد جماعت ان کے خیال میں کانگریس ہی ہو سکتی تھی۔  
اس نے مولانا کانگریس تھے اور کانگریس میں رہنا چاہتے تھے مگر ان کو کانگریس کی  
موجودہ نیم مذہبی و نیم سیاسی قیادت نے شکایت تھی اور وہ اسے مسلمانوں کے  
قومی وجود کے لئے ایک قتل خانہ سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ اس نظام کے تصور  
میں شریک ہونے کے باوجود وہیں میں ننگ نہ ہو سکے اور ہندوستان کے اس آخری

بڑھ چلے گئے عالم میں پیدل ملے کی اور قیام میں شریک ہوئے ہیں۔ جو چہرے  
کی رنڈت میں فرق نہیں آئے دیا ہے۔

مولانا اور مدرسہ دیوبند  
شاید فضلہ علیہ السلام کے اس اجتماع کی شرکت کا التزام  
اس لئے بھی ہو کہ مولانا کو مدرسہ دیوبند کے ساتھ

خصوصی کوپی تھی۔ اور وہ یہاں کے فضلاء میں انکار عالیہ کی ایک مدح پھونکنا  
چاہتے تھے۔ مولانا نے اپنی زندگی کا عملی پروگرام جمعیتہ انصار سے شروع کیا  
تھا۔ اور وہ اپنی زندگی کے ہر قدم پر اس جماعت (دیوبند) اور اس کے متعلقین  
کے لئے سوچتے رہے۔ مولانا کو اپنی واپسی پر یہ دیکھ کر شرمیلی ہوئی کہ وہ دیوبند  
پر کبھی فقرہ مولانا رشید احمد مملکت و مولانا شیخ الہند کا میدان تھا۔ اپنے مقام سے  
بچھے ہٹ کر جو دور و جوت کا مرکز بن گیا ہے۔ اس جو دور و جوت کو ہٹانے کے لئے وہ

نے سخت کوششیں کیں کہ ان میں کوئی کوشش نہ ہو تھی۔ پھر پھر پھر صاحب کھنجر میں ایک خط  
دیکھ کر مدرسہ کے مہنوں میں مولانا کا مدح کی قیام تھا۔ انہیں اس قدر سخت لگے کہ ان کی شرمیلی ہوئی  
تھا جس طرح کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کے دل میں یہ دیکھ کر وہ بے حد شرمیلی ہوئی۔ مولانا  
میں اس قدر جوت ہوئے کہ ان کے دل میں یہ دیکھ کر وہ بے حد شرمیلی ہوئی۔ مولانا  
ہے۔ جہاں سے ایک نہ لگتی ہے۔ صورت نہ رہتی پانی سے دھو کر لے آئے تھے۔ اور وہیں پہنچا  
کرتے کہ ان کے دل میں یہ دیکھ کر وہ بے حد شرمیلی ہوئی۔ مولانا  
ہیں۔ قرآن کی حیثیت میں بڑی آواز کی اور اس کا مضمون ہے۔ اس وقت آپ کی یہ خواہش  
ہوتی ہے۔ کہ وہ اس سوجھ بوجھ کا کہ آپ ویریں دیں۔

مولانا صاحب! اللہ رحمہ علیہ

چند سال قیام میں کبھی کانگریس کے پارٹی نمبر بھی نہ بنے۔

بیٹا حکمت اور ولی اللہ  
فلسفہ کی تعلیم  
شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے اور پیلانے  
تھے لے مولانا نے لکھی اور ان میں مرکز کو  
اور نہایت مرگئی سے ان کو جاننے کی بحث

کی دلیل میں لکھتے ہوئے جو عقیدت منہل کے قہر غیر کے الگ ہو جانے کے بعد  
ان سے و بنگلی میں ثابت قہر ہے۔ اسی مقصد کے لئے انہوں نے پیر جیٹا  
راہی، لاہور اور دین پور میں بیٹا حکمت کو لے کر مولانا علی گرام جیٹا  
پیر جیٹا کیا۔ جو ان کے خیالات کو سننے اور ان سے استفادہ کرنے کے لئے آ رہے تھے  
و مقصد کے لئے ان کی جدوجہد اور ولی جذبات کا اندازہ کرنے کے لئے ہر ایک

والہ کا ذکر بطور نوڈ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ مولانا اور اس پیر جیٹا کے بنگال پر ہر  
مہر کے دن متاحی فضلہ دیوبند کا اجتماع اور مذاکرہ علمی ہوتا تھا۔ مولانا بھی ان  
مولانا اور کھلا دجا سہنگ میں مقیم تھے۔ جو جماعت مسجد سے راستہ میل کے فاصلہ پر  
ہے۔ اس اجتماع میں شرکت کے لئے مولانا بالاتزام جماعت کے نوازے سے پہلے جاتے

مولانا لکھتے اور دھرم کے بعد اس جاتے۔ ظہر اور عصر کے درمیان مذاکرہ  
مولانا حضرت احمد علی انور کے مرتبہ مقامات کا درس دیتے اور کوک کو شہادت  
مولانا سے مل کر لیتے۔ ان التزام کو شہادت کے لئے دوا چار و قہر آیا بھی مولا  
مولانا کے پاس بس کا کل رہتے ہیں۔ انہوں نے یہ طریق مسافت اس

ہم نے۔ پیچھے اور جھیلنا ہے اور ان کو صرف اتنی بات چرچا کرنا ہے کہ مضمون کے سبب نصاب میں جرحہ اور ایوان اور کونسا مضمون کی کتابوں کو جوڑ کر لیں گے۔ ان کے بعد ان کے مضمون کی تفصیلات سے ہمیں بھی احتیاط ہے۔ جو علم و حکمت کی طرف دعوت ہیں وہ شایبہ تھے۔ اور بدتر سے بدتر کہ ان کی اس دعوت کو زیادہ دیر کے ساتھ اہتمام دینا مناسب تھا۔

[illegible]

تصانیف

مولانا کے ابتدائی زمانے کے رسائل اور تصانیف اپنے پیروں -  
ہندوستان کے اس آخری قیام میں انہوں نے شاہ ولی اللہ اور ان کی  
سیاسی تحریکات، دینی اور اعلیٰ درجہ کے فلسفہ و دین میں لکھے کر شائع کیں ایک اور کتاب  
موجود ہے ان کی زمانہ کے بعد شائع ہوئی - ایک اور اہم کتاب کتاب شریعت تہذیبیہ عربی بھی  
ملی ہے اس کے علاوہ کچھ خطبات، چھپے ہیں اور ان کے انکار پر ایک سبب کتاب  
عرفان حبیب اللہ سندھی کے نام سے پرنسپل محمد رفیع صاحب لکھی ہے جو ان کے خیالات  
پر ایک مرتب شکل میں دکھانے کے لئے نہایت کامیاب کوشش ہے ۔

مولانا سید حسین احمد صاحب دہلی

مولانا حمید اللہ سندھی مرحوم کے متعلق مختلف قسم کے مضامین پریس میں شائع ہوئے ہیں جس کی بنا پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت الامر کو شائع کر دیا جائے تاکہ ناظرین اعتدال کی راہ اختیار فرماتے ہوئے افراط و تفریط سے بچ سکیں اور بین باتوں کو مذکورہ ذیل معروضات کے خلاف دیکھیں اس کی حقیقت سمجھیں انہی ناظرین سے پرستاروں میں ہے کہ مولانا مرحوم کے اصل جذبات اور نصیبائیں کی قدر کرتے ہوئے اس جوان کی عمر کا بہترین سرمایہ تھا اور تا دم مرگ ان کو ملک بہ ملک پھرتا رہا تھا راستے قائم فرمائیں۔

مولانا حمید اللہ مرحوم کی الطبع اور سمجھ بوجھ واسطے جناکش اور محنتی ابتداء عمر سے واقع ہوئے تھے جنھوں نے شباب کی غلط کاریوں اور لغو بے معنی حرکات جو کہ اس زمانہ میں نوجوانوں میں عموماً پائی جاتی ہیں مرحوم نہیں ان کا

وجہ یہ تھا۔ ان کا تمام زمانہ طالب علمی انتقامت اور اعتدال سے مریں ما کتب مجنی اور شغل علمی میں انہماک رکھتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث سرور العزیز ابن کی ذکاوت علمی کبھی اور استقامت انکا کی بنا پر ان سے زیادہ مانوس رہتے تھے۔ ابتداء ہی سے ان کو حضرت مولانا محمد اسماعیل قادری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہل ان کے خاندان کے علماء و رجسہم اللہ کی تصانیف سے بہت شغف تھا۔ مرحوم ان کی کتابوں اور رسائل کو بغور اور جہد و جد کے ساتھ مطالعہ کیا کرتے تھے۔ تاہم ایک کثرت مضامین ان کتب کے ان کو اذہر جہد کرتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں کتابیں ختم کرنے کے بعد ان کا سہ ماہ کے علمی مراکز میں قیام رہا اور اس زمانہ کے وہاں کے اکابر سے تعلق نشہ پیرا۔ انہوں نے علم ظاہر کے مشاغل کے ساتھ تصوف کے مراحل میں بھی بدلتی و فکرو و عوہ اور کتب و جباری رکھی جن کا اثر ان پر نمایاں ظاہر ہوتا تھا۔

جن لوگوں نے ان کو مستقیمہ اور اس کے مابعد کے زمانہ میں دیکھا ہے وہ ان کی جانتے ہیں کہ مولانا معروف حمزہ ناہایت سادگن و صامت رہتے تھے۔ لفظوں گوئی اور لایعنی امور سے ناہایت محتررا و زماہل تعلیمہ اور محاروف علم میں مہاک و محاذات اور اہل صالح کے دلدادہ و بزرگان دین اور اکابر اہل علم کے انتہائی محض اور ان کے عقیدت مند اور متوجہ پائے جاتے

تھے۔ ان کی ہر حرکت اور سکون اور ہر قول و عمل سے متانت اور نہایت ٹپکتی تھی۔ قرآن شریف کی خدمت اور احادیث نبویہ اور کتب دینیہ فقہیہ و فروع کی اشاعت و تعلیم ان کا سرایہ حیات تھا۔ ان پر در و مال و جاہ اور عزت کا کوئی اثر نہ تھا۔ اندر پر کٹھن کی بلکہ بیگنی کی طرح سمجھتے تھے۔ اور ناجائز دنیاوی اور دنیوی فی الخلق کو لاشیئ محض خیال کرتے تھے۔ امرار اور اہل دولت سے ان کو وابستگی تو رکھنا رغبت نہ کرتی۔ غریبار اور فقرا و طلبہ اور اہل اللہ سے ان کو انس عظیم تھا۔

دن رات اسی اصلاح خداوند و اعمال کی ترقی کی فکر اور امت مسلمہ کی مغربی و شرقی تعلیم اور اہل و عیال کے دینی و دنیوی جراثیم سے حفاظت مشغول و مصیبتیں تھا۔ اسی نصب العین کے ماتحت دارالعلوم کی ترقی کے لئے وہ سندھ سے دیوبند آئے اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے انہوں نے جمعیۃ الافکار قائم کی اور کامی کے لئے انہوں نے وہی میں مدرسہ سارفت القرآن کی بنیاد لی اس زمانہ میں ان کا سوتا، جاگن، اٹھنا، بیٹھنا اسی نصب العین کے زیر سایہ رہتا تھا۔ اگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ جنگ عظیم اول اور یقین کے روح فرسا و طبع کس واقعات پیش آئے۔ جنہوں نے خالق جنگ روم اور روس اور جنگ یونان و غیرہ پر روپین اقوام کے غیر تصفاہ اور و غیا نہ بے راہیوں سے پیدا ہونے والے اور غیر منطقی رجحان میں نہایت زیادہ تک پاشی کی۔ اور حساس

مسلماں اور اہل انجیل میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کے غیر متداول  
میں انتہائی تلقین اللہ سے چینی پیدا کر دی۔

حضرت رحمۃ اللہ اور دیگر باغیرت مسلمانوں نے اسی اثر قوی کے تحت  
حال و حرکت کے چندہ کی تحریک کی جس پر مسلمانوں میں ہندو مت پر عداوت پیدا ہو گئی  
اور پھر یہ عقول اور بھلاہٹوں میں ایمان کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی  
بلکہ تلقین و اضطراب میں کوئی کمی ہوئی۔ اور مضامین اہل اللہ نے جو اس زمانہ  
میں نہایت پر زور اور چارتر خور کے ساتھ شائع ہوئے تھے یقین و دلایا کہ  
ملاوی سامراج نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے بلکہ اس کو عالم  
میں سے بھی مٹا دینا چاہتا ہے۔ اس لئے مجز آنادی ہندوستان کوئی صورت  
اسلامیہ کی ابد اور غور مسلمانان ہند بلکہ تمام اہل ہند کی مشکلات  
میں ہونے کی نہیں ہو سکتی۔ جذبات اور اثرات نے جن میں حضرت  
شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سرشار ہو رہے تھے۔ ان کے باغیرت اور باہمت دل میں  
یعنی اور اضطراب کی ہوجیں مارنے والی ہریں پیدا کر دیں اور مجبور کر دیا کہ  
یہی سرکشت ہو کہ آنادی کے میدان میں کوہی اللہ دوسروں کو بھی کو دیا۔  
انہوں نے مولانا عبید اللہ صاحب کو بدلا کرتے ہوئے اس قدر متاثر کیا۔  
کہ عبید اللہ صاحب اپنے سابق نصیب الین سے تقریباً بیٹ گئے۔ اور  
اسی ملک اسلام یا انجیل میں آنادی ہندوان کا نصیب الین ہو گیا جس

کے اخیر میں آپ ان کی زندگی اٹھا بیٹھا، سوتا جاگا، سوچ بچار صرف  
آنادی ہندوستان اور آنادی ممالک اسلام ہو گئی۔ تھوٹے ہی عرضیں  
جنگ عظیم کی گھنٹہ گھنٹوں کے دنیا کو گھیر لیا۔

یہ حالت ایسی ذہنی کہ اس قسم کے قلوب ماہی ہے آپ کی طرح تڑپ  
میں نہ تھیں چنا چنا اپنی بساط کے موافق تک دو کرنے لگے۔ بالآخر اسی تاثر  
میں مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم کا بل اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ صاحب  
پہنچے مولانا عبید اللہ صاحب کا یہ جذبہ آنادی دوزخوں ترقی کو تار مار اور  
اس قدر اس میں غلہ ہو گیا کہ اگر اس کو جہنم کا درجہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔  
انکار تھے تو اس کے زبان پر نہ کرتا تو اس کا اتہاس میں تھیں تو ان حالات کا  
کی احتمال تھے تو اسی کے نہ

کا بل میں پہنچنے کے بعد مرحوم نے امیر حبیب اللہ خاں صاحب مرحوم  
اور ان کے حاشیہ نشینوں سے اس مقصد کے تحت تعلقات قائم کر کے اپنی  
امیدوں کی شمع کو روشن کیا مگر امیر حبیب اللہ مرحوم کی شہادت نے ان کی  
تمام شعول کو بجھا دیا۔ اور ان کی حسرت و تاس کی کوئی حد باقی نہ رہی۔ تاہم چونکہ  
فطرت نے ان کو سہما قلب اور نہ تھکے والا دماغ دیا ہے۔ وہ اپنی جدوجہد  
میں مصروف نہ تھے اور نہ تھکے۔ اور یہی ان کے اعضاء کو بے کار نہ کر سکی۔  
حبیب امیر خان اللہ مرحوم ان کے حلقہ میں تھے۔ تو خصوصیت نے اپنی جہد میں

ان کی ذات ستورہ صفات کو قرار دیا۔ افغانستان کی جنگ آزادی میں سہا  
کیسے مول اور کوششوں کا بڑا حصہ شامل تھا۔ چنانچہ ایک مشہور جنگی انگریز  
کا قول ہے کہ یہ کامیابی افغانستان کی نہیں ہے بلکہ عبید اللہ کی فتح

یقیناً جو سکیم جنگ کی تیار کی گئی تھی۔ وہ اگر بروئے کار آجاتی اور خلیفہ  
میں تو عظیم الشان کامیابی ہوجاتی مگر مشرقی کمان کی خیانت نے تمام کی کرائی  
تھا تقریباً برباد کر دی۔ تاہم نتیجہ ضرور ہوا کہ افغانستان کی مکمل آزادی تسلیم  
کئی۔

دوسرا سخت مدد تھا جو کہ مولانا عبید اللہ صاحب کے بے چین اور  
رہبہ طلب کو مشرقی کمان کی شکست اور خیانت سے لگا۔ مولانا عبید اللہ  
سب کی سرگرمیاں اور ان کی ذہنی رسائی اور اعظمیٰ درجہ کی سکیمیں یہی دیکھیں  
برطانوی لوگوں کو ان کی طرف سے مطمئن رکھتیں۔ بالآخر ان کو کابل بلکہ  
افغانستان سے نکل جانا پڑا۔ حالانکہ افغانستان کی مکمل آزادی تسلیم کی جا چکی تھی۔  
اور اسکا تقاضا جس کا سخت مدد ان کے قلب اور دماغ کو اٹھانا پڑا۔

ایک عظیم کے زمانے میں ترکی حکومت کو شکست اور عراق۔ شام فلسطین  
اور نجد وغیرہ کا خلافت اسلامیہ سے جدا ہونا اور صلیبی اقتدار کے  
آجائو کوئی مدد نہ تھا۔ اس نے پر مسلمان کے قلب پر نہایت زبردستی

سانپ لٹائے۔ بالخصوص اصحاب حیات اور باغیہ مسلمانوں کو تو انہائی ظلیف  
پیش آئی۔ مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم کے قلب اور قلب و دماغ پر اس  
کا جو کچھ اثر ہوا وہ سوائے خلیفہ کریم کے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ وہ چوتھا عظیم  
مدد تھا جس کو ان کے قلب اور دماغ کو برواقت کرنا پڑا۔

مولانا مرحوم افغانستان سے جدا ہو کر روسی ممالک میں پھرتے ہوئے  
بنخارا، ماسکو، آلتی، استنبول وغیرہ پہنچے اور سالہا سال ان سخت سے سخت  
سرور و غصی ملکوں میں سرگردان اور پریشان رہے۔ اعراد و اقربا ساتھ نہ تھے  
یا راور احباب مدد دی کہ لے ملے موجود نہ تھے۔ مال و تاع جس سے عزت  
اور سافرت کی مشکلات حل ہوجاتی ہیں موجود نہ تھا۔ نیز خبر گیری اور احاطہ  
کی جھلک بھی نہ تھی۔ استاد مرحوم حضرت شیخ البندقتہ اللہ علیہ رحمہ کا سہا  
ظاہری شہاد کیا جاسکتا تھا۔ سال میں تیرہ تھے اپنے درپے بیٹوں ناسخے کرنے  
پڑے پیل ٹائیل پیدل چلنا پڑا۔ برت کے ڈکے ہوئے ملکوں میں جا شے  
کی صنعت تکالیف جیسی پڑیں۔ تنہائی اور کسی مہر کی کاغذ برطانت کرنا  
پڑا وغیرہم ناواقف زبان نہ جاننے والے اوجانب میں ایسے کرنا پڑا۔ ان  
عظیم الشان خدمات اور جانگزا احوال میں مولانا کا ذہن واپس آ جانا قدرت  
کے اجر و نعت میں سے نہیں تو کیا ہے۔

وطن اور مذہب کی آزادی کے سببے اور بھی متعدد اشخاص نے مشکلات



اور مصائب جملی ہیں۔ مگر مولانا عبداللہ دروچم کی سی مصطلحات کس نے جمیلیں۔  
اگر غور کیا جائے تو پہاڑ اور فوسے کا فرق پایا جائے گا۔ ان مصائب عظیم غیر  
متناہیہ نہ تھے اگرچہ مولانا دروچم کو موت کے گھاٹ تک پہنچانے میں شکست کھائی  
اور مولانا کی سہولت جانی ہی غالب رہی۔ ہم وہ مولانا کے داغ اور غلبہ کو نشان  
رہنے میں کامیاب ہو گئیں۔ مولانا واقعی قاذون کھو بیٹھے۔ صبر و تحمل، علم و دہائی  
استقلال اور گراں باری وغیرہ نے جواب دے دیا۔ مگر خوراد جولیت علی جو  
کہ مولانا دروچم کو مضامین عالیہ اور سیاسیات دینی کی عین سستی میں گھرا انہوں  
سے پہنچانے والے تھے۔ وہ تقریباً کاغذ ہو گئے۔

مولانا مصائب جیلے ہوئے جب حجاز پہنچے اور ہم کو ان سے ملاقات کا شرف  
حاصل ہوا ہے تو ان کی حالت دیکھ کر ہمارے تعجب اور حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔  
ہم نے دیکھا کہ مولانا کی وہ متناہیہ اور وزارت، علم و دہائی، وہ سکون و سکوت  
کی کوہم پہلے شاہد کرتے تھے سب کے سب تقریباً رخصت ہو چکے ہیں۔  
ان کی بات پر خفا ہو جاتے ہیں، جھنجھے چلائے گئے ہیں۔ غصہ آتا ہے  
کہ بہت زیادہ کرتے گئے ہیں۔ یہاں اوقات ایک ہی مجلس میں متناہیہ اور مولانا  
کہہ رہے ہیں۔

ہندوستان تشریف لانے کے بعد بھی ان متناہیہ امور میں کمی نہیں ہوئی  
بلکہ متناہیہ ہی زیادہ بن گئی۔ بنا پر ہم کہتے ہیں کہ مولانا کے داخلی توازن پر

کاری اثر پڑا ہے۔ اور کیوں نہ ہو جو اسانا احوال اور گراں گئی صحت مندیران کو  
پیش آئے تھے ان کا یہ اثر بہت کم کی کم تر تھا۔ چنانچہ متعدد مجالس میں غور و فکر  
بھی اس کے متر ہوئے۔ ایسے احوال میں یقیناً ہر چیز کا مادہ اعتدال و اعتدال متناہیہ  
ہٹ جاتا اور جلا شون میں انتقال پیدا ہو جاتا طبی بات ہے۔

چنانچہ یہ داخلی انتقال نہ صرف مولانا کی سیاسیات ہی تک محدود بلکہ علمی اور  
غیر سیاسی تقاریر اور تقریرات تک بھی متناہیہ ہو گئی۔ اور یہی امر نے مولانا کی اعلیٰ قابلیت  
اور ذہنی اور بیش تر انہوں کے ہوتے ہوئے ہندوستان کی پبلک اور سیاسی رہنمائی  
میں اس کی بدترین اور تیر کو مولانا دروچم کے لئے حاصل نہ ہونے دیا جس کے نتیجے میں  
سحق تھے۔ مولانا کا کلام ان کی شدت و کدورت اور بہادری ملی کی بنا پر پہلے ہی بہت  
زیادہ وقوف ہوتا تھا جس کو سمجھنے کے لئے اہل علم و فہم کو بھی غیر معمولی غور و فکر کی ضرورت  
ہوتی تھی۔ ان کے قابل اور غیر معمولی نتائج کیلئے آخری دور میں بھی جب تک وہ مصائب  
کی بدترینوں کا شکار ہو چکا تھا۔ برس برس کی جدوجہد اور اسلئے استقلال کی بنا پر  
ایسے سیاسی اور نظری حقائق بھی ظہور پذیر ہوتے رہے۔ جو اہل فکر کے لئے وجہ  
فکر و نظر کا سامان تھے۔ ان سے مصائب فہم حضرات، اصولی طور پر پرکھ کر میر تقی  
کا استحقاق کر سکتے ہیں۔ مصائب اس طرح کی بنا پر بعد میں زیادہ انہیں پیدا ہونے  
لگے۔ چنانچہ شاہد ہے۔

بنابرین تمام اہل فہم اور اہل علم و فہم سے پر وعدہ درخواست ہے کہ مولانا

مذہب کی کسی تقریر کو دیکھ کر اس وقت تک اس پر کوئی سختی طے نہ فرمائیں۔  
جب تک کہ اس کو اصول اور سننات اسلامیہ اور ضروریات دین اور عقائد و  
احمال اہل سنت والجماعت کے زیریں قواعد و تالیف پر پرکھ نہ لیں۔ اور غلط  
و انقیاس مولانا کے کسی کلام کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت  
علامہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اصحاب  
کامیاب و نیرندہ کا مسلک بھی نہ سمجھیں جب تک کہ اسی کوئی پر اس کو کس نہ لیں۔ یہ  
ضرورت اکابر جلیلہ عقائد و اعمال میں فراء وہ فروع سے تفریق رکھتے ہوں یا اصول  
مذہب سے سمجھیں اور ان کے اصول و قوانین مسلمہ اہل سنت والجماعت ہی کے تابع  
اور اس کی تسلیم و تائید کرتے رہیں۔ واللہ الموفق۔ دینا اورنا الحق حقا  
و حقنا و تیلہم وارنا، الباطل باطلا و ارفنا، اجتنا بہ۔ آمین

# رولٹ کمیٹی کی رپورٹ

اور

مولانا عبید اللہ سندھی

اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط کے واقعات کا انکشاف ہوا اور حکومت  
 کو اس سازش کا پتہ چلا۔ یہ ایک منصوبہ تھا جو ہندوستان میں اس خیال سے  
 تجویز کیا گیا تھا کہ ایک طرف شمال مغربی سرحدات پر گڑ بڑ پیدا کر کے دوسری  
 طرف ہندوستانی مسلمانوں کی ضرورت سے اسے تقویت دے کر برطانوی راج  
 کو ختم کر دیا جائے۔ اس منصوبہ کو مضبوط کرنے اور عمل میں لانے کے لئے مولوی  
 عبید اللہ نامی ایک شخص نے اپنے تین ساتھیوں عبد اللہ افتخار اور محمد علی کے  
 ساتھ اگست ۱۹۱۵ء میں شمال مغربی سرحد کو ہار کیا۔ عبید اللہ پہلے رکھ تھا بعد  
 میں مسلمان ہوا۔ بعد دیوبند ضلع سہارنپور کے مغربی سرحد میں تعلیم حاصل کر کے  
 مولوی بنا وہاں اس نے اپنے بھائی زادہ اور برطانویہ کے خلاف بغاوت کا دہر  
 چند مدرسین اور طلبہ میں بھی پھیلا دیا۔ جن کو گولی پلاس نے اپنا اثر ڈالا۔ ان

مولانا شیخ الہند کی تحریک اور مولانا عبید اللہ ندوی کے سر کا بل کے  
 متعلق روٹ کمیٹی کی رپورٹ کے پیرا ۱۹۱۶ میں کچھ حالات درج ہیں  
 اگرچہ یہ حالات نہایت مجمل ہیں مگر سفر ہمارے بعض مقامات کو مل کر  
 اور حکومت کے نقطہ نظر کو واضح کرنے کے لئے اس حصہ کا یہاں نقل  
 کرنا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ اس رپورٹ کی ایک خاص غلطی یہ ہے کہ اس  
 میں مولانا ندوی کو تحریک کا بانی اور مولانا شیخ الہند کو اس کا سربراہ ظاہر  
 کیا گیا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

۱۔ میرے پاس جو کتاب (روٹ کمیٹی کی رپورٹ)

صفحہ ۱۶۲ ۲۵۲ پر درج ہے

ار

کر کامیاب بننے کے لئے عمل میں لائی۔

عید اللہ داس کے دوستوں نے پہلے ہندوستانی شیعہ Fanatics جماعت (مہارین) سے خلافت کی اور بعد میں کابل پہنچے۔ وہاں عید اللہ کی طاقت ترکی برسی مشن سے ہوئی اور ان کے ساتھ اس نے بھائی چارہ قائم کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا دیوبندی دوست مونیال بھی اس سے جا ملا۔ یہ شخص مولانا محمد صاحب کے ساتھ عرب گیا تھا۔ اور وہاں سے خلافت میں جہاد کا ایک اعلان حاصل کر کے واپس آیا تھا۔ جو مولانا نے جہاد کے ترکی سچہ سالار غالب پاشا سے وصول کیا تھا۔ یہ دستاویز غالب نامہ کے نام سے مشہور ہے۔ جو میاں نواس کی کاپیاں راستہ میں ہندوستان اور سرحدی قبائل و فوجی جگہ تقسیم کیں۔ مولوی عید اللہ داس کے رفیق ساتھیوں نے برطانوی حکومت کے خاتمہ پر بھرپور حکومت کے لئے ایک تجویز تیار کی تھی۔

اس تجویز کے مطابق ہندوستان پر نامی ایک شخص کو صدر ہونا تھا۔ شخص ایک محرز خان خانان کا جرنیل تھا۔ ۱۹۱۵ء کے اخیر میں اسے اٹلی، سوئٹزرلینڈ اور فرانس جانے کا پاسپورٹ دیا گیا۔ یہ سیدھا جلیو گیا۔ اور وہاں سے براہِ نام

شاہ ماجد ہندوستان پر تاج و گیسٹ ہوئے۔ وہیں ہندوستان آگئے۔ ۴

کی سب سے بڑی شخصیت مولانا محمد حسن کی تھی۔ جو مدت تک درس کا ڈیرہ بندہ میں رہے۔ عید اللہ پاشا کے دل میں ان کے شہر و معروف تاریخ تحصیل تعلیم کے ذریعہ ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف ایک عالمگیر اسلامی تحریک چلانے کے ارہم اہل باب شوری نے اس کو اور اس کے ہندوستان کو بحال کر اس کی تجویز کو درمیان میں ہی ختم کر دیا۔ مولانا محمد حسن پاشا میں دیوبندی ہیں یا نہ ہے اور عید اللہ سے ان کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مولانا سلطان پور بھی جہاں تمام انجریں اور کہا جاتا ہے کہ سرحد کے کچھ آدمی بھی ان کے ایک ہزار کرتے۔ ۱۹۱۵ء کو مولانا محمد حسن نے میان محمد نامی ایک آدمی اور سرحد و قندھار کے ساتھ مولوی عید اللہ کی پرہیزگاری اور جنتان دیا۔ کچھ لوگ شمال کا رخ کرنے کی بجائے عرب کے خطہ حجاز میں پہنچ گئے۔ وہاں مونس سے پیشتر عید اللہ نے وہاں میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ ان کتابیں شاخ کی فہم جن میں اس نے اجیانہ شیعہ کی تبلیغ کر کے ہندوستان کو کر دینے جہاد سے متاثر کرنا چاہا تھا۔ اس شخص نے مولانا عید اللہ اس کے دوستوں اور مولانا شیخ امین کا ہم مقصد تھا کہ ایک وقت سلطان پر پورے حملے بھی کر دیا جائے اور ہندوستانی مسلمانوں میں بنات بھی لیا جائے۔ ہم اس جہد عید کی تفصیل بتلاتے ہیں۔ جہاں ان کے اپنے مقصد

کی سب سے بڑی شخصیت مولانا محمد حسن کی تھی۔ جو مدت تک درس کا ڈیرہ بندہ میں رہے۔ عید اللہ پاشا کے دل میں ان کے شہر و معروف تاریخ تحصیل تعلیم کے ذریعہ ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف ایک عالمگیر اسلامی تحریک چلانے کے ارہم اہل باب شوری نے اس کو اور اس کے ہندوستان کو بحال کر اس کی تجویز کو درمیان میں ہی ختم کر دیا۔ مولانا محمد حسن پاشا میں دیوبندی ہیں یا نہ ہے اور عید اللہ سے ان کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مولانا سلطان پور بھی جہاں تمام انجریں اور کہا جاتا ہے کہ سرحد کے کچھ آدمی بھی ان کے ایک ہزار کرتے۔ ۱۹۱۵ء کو مولانا محمد حسن نے میان محمد نامی ایک آدمی اور سرحد و قندھار کے ساتھ مولوی عید اللہ کی پرہیزگاری اور جنتان دیا۔ کچھ لوگ شمال کا رخ کرنے کی بجائے عرب کے خطہ حجاز میں پہنچ گئے۔ وہاں مونس سے پیشتر عید اللہ نے وہاں میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ ان کتابیں شاخ کی فہم جن میں اس نے اجیانہ شیعہ کی تبلیغ کر کے ہندوستان کو کر دینے جہاد سے متاثر کرنا چاہا تھا۔ اس شخص نے مولانا عید اللہ اس کے دوستوں اور مولانا شیخ امین کا ہم مقصد تھا کہ ایک وقت سلطان پر پورے حملے بھی کر دیا جائے اور ہندوستانی مسلمانوں میں بنات بھی لیا جائے۔ ہم اس جہد عید کی تفصیل بتلاتے ہیں۔ جہاں ان کے اپنے مقصد



ابا جس طالب علموں کے واقعات غائبانہ مریکشا مت کا ذکر تھا اور حکومت فرنگ  
اور ایک خیرہ شہر کے قیام کی تجویز دے تھی۔ اس فرج کے لئے بھرتی ہندوستان سے  
کر تفریق ہوئی تھی۔ اور اس کا کام اسلامی حکومتوں کے عدیان سلسلہ راجا کا قائم  
کرنا تھا (مولانا) محمد حسن سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ یہ سارے واقعات مملکت عثمانیہ  
تک پہنچا دیں۔ (مولانا) عبدالحق کے خط جو بادشاہ کا قریب و محفل نقشہ تھا۔ اس فرج کا کفر  
عزیز میں قائم ہونا تھا اور مولانا) محمد حسن صاحب کو اس کا سالانہ خط لکھنا تھا اور ان  
مراکز مقامی سالانہوں کے تحت مملکت عثمانیہ، طرابلس اور کابل میں قائم ہونے تھے۔ اور  
کابل کا سالانہ اور مولانا) عبدالحق کو لکھنا تھا۔ اس فہرست میں تین سرسبز تھے۔ بارہ جونیل  
اور کئی اور خط فرجی مہر واصل کے نام درج ہیں۔ لاہور کے طلبہ میں سے ایک کو سیر چور  
بنا تھا۔ ایک کو کزل اور چکر کو ٹنٹ کزل۔ ان اہل علم و فضل کے لئے حین ایشیا کو  
تجزیہ کیا گیا تھا۔ ان میں سے اکثر کے ساتھ اس تقریر کے بارے میں واقعات نہ ہو سکی تھی

واقعہ خانیہ خورہ ۵۰ دکانچہ حد ہندوستان ہاں سے تین کو کراہت مدوں نے کڑا کو کے بڑا دی  
حکومت کے حوالہ کیا۔ چوں کہ بڑا کے مشن دامت کا اخبار کیا اور ان میں مشروطی ملی گئی  
ان چند طلبہ ان کے مدوں نے ہاں میں کو لقب دیا تھا۔ ان میں سے محمد و اس ہوئے۔ ان  
کے باقیات چھپنے پڑے ہیں۔ ایک طالب علم کو ایک مبلغ ہزار روپے سے تفریق تھا جس میں پانچ  
کریا گیا تھا اور سلطان ترکی نے طلبہ ان کا بھرا کر بڑا فری حکومت کی طرف سے حکمت مصلحت سے دینے  
مقرر ہوا کہ وہ من مہمان کی عہد داری کرے گا مگر وہ اس نے ہندوستانی سالوں کو بچ کر کراہی  
اس کی ملک میں جا چاہیے۔ دوسرے طالب علم کو فری مصلحتی ان سے عورت لیا تھا اور اس کی طرف  
ان کی ایک تصویر سے بھی اسے عہد پر چاہا تھا۔ اس کے خیال میں عورت کی ہر بیس کو نہ والی تھی

دوسرے خط کے ساتھ جرمہ رمضان (۹ جولائی ۱۳۱۳) کو محمدیاں انصاری  
نے لکھا تھا کہ ایک غافلہ میں شیخ عبدالرحیم کے پاس حدیث باوندہ صبیحہ گیا  
شیخ عبدالرحیم تہب سے غائب ہے۔ غافلہ پر ایک خود تھی جس میں شیخ عبدالرحیم  
سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ یہ خط کو کسی قابل اعتماد حاجی کے ذریعہ بولنا محمد  
صاحب کے پاس کہ پہنچائے جائیں۔ اور اگر کوئی دوسرا قابل اعتماد حاجی نہ مل  
سکے تو شیخ صاحب خود ہی یہ خدمت سر انجام دیں۔ (مولانا) محمد حسن کے نام  
کے خطوط جو حکومت برطانیہ کے اٹھ آئے ہیں۔ ہم نے خود دیکھے ہیں۔ یہ خطوط  
دوسرے شہر پر مات اور واضح لکھے گئے ہیں۔ محمدیاں کے خط میں جرمہ اور ترک  
مشن کی سابقہ آمد پر منزل کی واپسی اور ترکی کے مصلح قیام۔ یہاں تک ہوئے

ملے گا تاہم ۱۳۱۳ جولائی کو برطانیہ کے ہائی کورس ہونے تھے (مولانا) عبدالحق ۱۳۱۳  
مولانا کے سفر کابل میں زاد ماہ مبارک نہ کہ سن کی بری اور دعا جلدی سے پناہ سارا جرمہ

بجلی لانا تھا (شاہ ولی) شاہد ان کی سیاسی تحریک میں ۱۳۱۳

شہ ۹ فروری ۱۳۱۳ء کو برطانیہ کے کورس ہاں میں تیار ہوئی تھی۔ اس کا قصہ ایک وٹن  
کے سونہار اور شہر میں چلنا تھا۔ اس تاریخ تک آدمی میں سے بچے ملتے۔ ریل کے ذریعہ  
فروری ۱۳۱۳ء۔ مقررہ کے مشن بنیادی تھیں اور سازش نام بری ان میں سے تھیں  
مسلمان طالب علم سرحد کے ہندوستانی متبعین و مجاہدین اسے ہانے کے لئے نکل چکے تھے  
اور ان کی پیش رویت فضل پنجاب

پڑھتا ہے ہم نے پنجاب سے خط واصل میں تاہم کہ فروری ۱۳۱۳ء میں ہر کے ہندو طالب  
نے کابل چھڑا اور مجاہدین کے ساتھ تھے۔ اس کے بعد وہ کابل گئے۔ وہاں ان کے پیچھے فر  
سختی سے نظر بند کیے گئے تھے۔ اس بعد وہاں ہر کراہی کے تحت تھیں حکومت کی پادش

موسم ساری اطلاع کی وجہ سے جریشی خطوط میں دی گئی تھی۔ چند پیش بندیوں کی سبب سمجھی گئیں اور دوا میں کمی لائی گئیں۔

آگئے۔ اور وہ اس وقت برطانوی گورنری میں جنگی قیدی ہیں۔ غالب نام پر دستخط کرنے والا غالب پاشا بھی جنگی قیدی ہے۔ اس نے پتلا کر کیا ہے کہ ٹھوس پلٹی تے تیر سناٹے ایک خول کا تھا۔ اور میں اس پر دستخط کرنے میں خط کے ٹھوس حصہ کو توڑ دیا

ایشیاء اور ارب اور افریقہ کے مسلمان اپنے آپ کو جسم کے حیات سے مخلک کے خدائے  
 راستے میں جہاد کے لیے نکلے ہوئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ترکی و قسطنطنیہ میں جہاد کا اسلام  
 محفوظ رہا۔ غالب آگے گئیں۔ اس لیے مسلمانوں میں ظالم مسلمان حکومت کے بند  
 میں دم پڑے ہوئے ہیں۔ اس پر غور کرو۔ دشمن کا رسول پر مجبور کرنے کے پیغمبروں  
 کے ساتھ اپنی ساری جدوجہد میں ان کے کی جلدی کرو۔ اور ان کو اپنے پیغمبروں  
 اور دشمنی کا اظہار کرو۔ یہ بھی تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مولوی محمد حسن افغانی  
 دس سال قبل درندہ و غریب و مظلومان سے تعلق کرکے لوٹے ہوئے ہیں۔ اس آئے اور  
 جہاد شروع طلب کیا۔ ہم نے اس بارے میں اس سے اتفاق کیا۔ صلے فیروز کا  
 جہاد تھیں۔ اگر وہ تہا سے پاس آئے تو ہمیں یہی پڑتا اور کہ چاہیے اور دیکھا  
 مدلول اور ہمیں چاہیے کہ مسلمان کی ادا کیا جائے جس کو مروت آئے  
 چلی آسکتی ہو۔

چیل آسکتی ہو

[illegible]

## سفرنامہ کابل

کابل میں ہمارے سات سال

۱۳۳۳ھ مطابق اگست ۱۹۱۵ء کو میں کابل کی ٹر  
ہندوستان سے روانگی روانہ ہوا۔ اس سے تخمیناً چار پچھنچھ ہشتاد  
چھوٹے کا اوردہ میسم کرچا تھا۔ اپریل ۱۹۱۵ء کے شروع میں دہلی سے سندھ  
چلا آیا۔ اور چار پچھنچھ مختلف مقامات پر گزرا۔ دوستوں سے آفری مقامات اور  
ضرب راستے کے خلاف سے محفوظ رہنے کے قابل ہوں مسرت ہوا۔ باغیہ بند قتلے  
ہو چکا تھا۔ سے گرد کروا اگست کی نماز قرب سر ملا افغانستان میں پڑھی۔ اور  
کابل علی اللہ بغیر کسی پاسپورٹ حاصل کرنے کے افغانستان میں داخل ہوا۔  
میں مسجد ملک میں مقیم رہا۔ وہ سور ایک کا  
افغانستان میں داخلہ ملاقات۔ وہاں کے حاکم سے ملا پاسپورٹ نام  
کی وجہ سے نہیں لیا کہ پاسپورٹ کے بغیر ہمارے سفر نامہ میں کئی کئی



سرکاری خزانہ سے مندرجہ پنچادیں۔ وہاں ہم حکومت کو ملنے کو بیچے  
چند سوالات پوچھے۔ اس کا جواب ان کے دفعہ شہادت کے لئے کافی تھا۔  
اس لئے ہمیں حکومت کا سونڈھنا ہی قہر دیا۔ اور ہمارے مندرجہ پنچانے  
کا سبب اختلاف کر دیا۔ مندرجہ میں ہمارے بعض اشتغال گئے۔ ان کا حکومت  
میں اچھا درجہ تھا۔ اور ہمیں اسی طرح جانتے تھے۔ اس لئے نائب حکومت  
نے چند روز نہایت احترام سے اہلن رکھا۔ نقطہ قابل کے سفر کا نہیں بلکہ چند  
کا بل میں رہنے کا بھی انتظام کر دیا۔ اسی طرح ہم ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو قابل پہنچے۔  
اتفاقیت زمانہ میں یہ بھی ایک عجیب بات بھی جانی گئی۔ کہ اسی تاریخ ۱۵۔  
اکتوبر ۱۹۱۵ء کو ہمیں قابل سے سفر کرنے کا پاسپورٹ مل گیا۔ اگرچہ ہماری ٹوٹی  
۲۲ اکتوبر کو عمل میں آئی۔ بین راستہ سال اور سات دن میں جو کچھ ہم سفر کیا  
اس کا اکثر حصہ اس قابل نہیں کہ عام طور پر کن بلوں میں لکھا جائے لیکن کسی  
قدرواقتات کہنے کو ہمارا جی چاہتا ہے۔ اس سے پہلے چند فصول واقعات  
اور اس کی سلطنت کے متعلق لکھتے ہیں۔ تاکہ ہمارا مطلب سمجھ میں آسانی  
ہو۔

پشتو۔ ایلان اور ہندوستان کی سرحد پر ایک خاص زبان بولنے  
والی قوم آباد ہے۔ اسے خاری میں پرستانہ اور ہندی میں پٹیا  
کہا جاتا ہے کیونکہ اس قوم میں متعدد خاص غلطیوں۔ ترک۔ ایلان۔ ایرانی

ارنی، یہودی، عرب سب قوموں کے آثار ملتے ہیں لیکن جہاں تک ہم حقین کر  
سکے۔ ہم ان قوم کو ہندی قدیم اقوام کا ایک حصہ مانتے ہیں اور پشتو کا سنسکرت  
کے فروع میں سے جانتے ہیں تاریخ صینی اور کامل ابن اثاری کے مطالعہ سے  
معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہاڑی قومیں اس وقت سلطان محمود کی فوج میں داخل  
ہوئیں جبکہ سلطان نے میانپالی راجا پرور کو شکست دے کر انہماں کے علاقہ پر  
قبضہ کر لیا۔ جہاں اس وقت تک ہندو مت قائم ہو رہی تھی۔ باوجودیکہ یہ لوگ  
فوج میں ابھی داخل نہیں ہوئے تھے مگر انہوں نے مشہد باب الدین غوری  
کے زمانہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

پشتو گرامر فارسی کے مقابل میں سنسکرت سے زیادہ قریبی ہے فعل کا مفرد  
اور جہ بنانا فارسی میں فاعل کے تابع ہے۔ اور ہندی میں مفعول کا لاحقہ رکھا  
جاتا ہے۔

پشتو اس میں ہندی کے تابع ہے۔ پشتو صرفت ہما میں ایک ایسا لفظ  
جاتا ہے۔ جسے بعض قبائل شین پڑھتے ہیں۔ اور دوسرے اسے رخ کی طرح فقط  
کرتے ہیں۔ یعنی صرفت ہندی صرفت ہما میں پایا جاتا ہے۔ پٹانوں کے  
بعض قبائل ایسے ہوں ہیں جس نام کی ہندو قوم ہندوستان  
میں آتی ہیں۔ جیسے بہتر رخ تو دھمی ایک ہی قبیلہ کے افراد ہیں۔ جو ہندو ہیں  
ہتے میں مسلمان ہیں۔ اور جو پٹان میں ہتے ہیں۔ ہندو ہیں۔

**افغانستان** اصل میں پشتو رہنے والے علاقے کا نام ہے۔ پڑا نام لفظ افغانستان سے لیا گیا ہے۔ اس علاقے کا ایک حصہ سلطنت افغانیہ کا اس میں قطعہ سمجھا جاتا ہے۔ قندھار، قلات، غلزی، غزنی، بگرام، پشاور کے بڑے شہر ہیں۔ اس کا صدر محل جغتوہ قریبی سے ہند کے برطانوی سلطنت میں داخل ہے۔ جسے شمال مغربی سرحدی صوبہ کہا جاتا ہے۔ اسی میں پشاور کے بڑے شہر ہیں۔ پشاور، کرات، اجمل، ڈیرہ، اہلیست، غلہ اس کے بڑے شہر ہیں۔ صوات، باجوڑ اس کی سرحدی ریاستیں ہیں۔

مہند، وزیر، مسعود میں قوی حکومتیں ہیں۔ سلطنت افغانیہ کا مشرقی حصہ افغانستان ہے۔ اور ہندوکش سے اور افغانی ترکستان ہے جس میں ہندوستان، پشاور، چترال واقع ہیں۔ مغربی حصہ ہرات کا صوبہ ایران کا ایک حصہ ہے جو افغانستان کے فتح کر لیا تھا۔ سلطنت کے اس نظام میں دہلی کے اکبر شاہی نظام کے دھندلے سے نشان بخٹے ہیں۔ حکومت کی زبان فارسی ہے۔ جس میں ہندی الفاظ کثرت سے متعمول ہیں۔ اسی طرح ترک، افغانی کی آمیزش بھی کافی کثرت سے موجود ہے۔

دارالسلطنت میں ایرانی، افغانی، ترک، ہندی دارالسلطنت کا بل آباد ہیں۔ تجارت میل، اور صحت میں ملازمت میں سب شریک ہیں اس وقت ہندی سے ہماری مراد ہندوؤں کے ہیں۔

جوانستان کی آبادی کا ایک اہم حصہ ہے، ہم جس وقت کابل پہنچے اس وقت ان کے علاوہ دارالسلطنت میں اندھی ہندوستانی بٹھے تھے جنہیں ہم خلعت حصول میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱۱) ہندوستان کے ہندو اور مسلمان تجارت کے لئے افغانستان میں کوٹھے آہر و رفت رکھتے ہیں۔ ہندی ہندو اور پشاور کی مسلمان متاثر کرتے ہیں۔ پشاور میں مسلمانوں کا ایک حصہ انگریزی سرای سے تجارت کرتا ہے ان کے گمشتے افغانستان پر چھائے ہوئے ہیں۔

(۱۲) بہت پرانے زمانے سے لے کر افغانستان سے عربی زبان میں کسب علم دین کے لئے اکثر طالب علم ہند کے دینی مدارس میں آتے ہیں۔ یہ لوگ ہندی زبان جانتے ہیں۔ ہندوستانیوں سے زیادہ ان میں ہوجاتے ہیں۔

(۱۳) جب سے امیر حبیب اللہ خاں نے یورپین علوم و فنون کی ترویج پر توجہ فرمائی ہے۔ اس وقت سے متعلمین کی ایک جماعت کابل میں ہمیشہ رہتی ہے۔ یہ لوگ اکثر پنجابی ہیں۔

(۱۴) ان کے ساتھ پنجابی مسلمان طبیبوں کی بھی ایک جماعت ہے۔ جن میں ایک آدھا چھاٹا کھڑے۔ باقی سب کے سب کچھ ڈیڑھا کھڑے۔ طبیب ہیں انہیں بہت اچھی تنخواہ ملتی ہے۔ اور پانچویں صحت معالجہ سے بھی کافی روپیہ کما لیتے ہیں۔

(۵) کابل میں ہندوستانی مسلم ایک سیاسی سازش کے الزام میں مشروط  
پنڈا خاںوں کے ساتھ جیل میں مقید ہیں۔  
(۶) پنجاب کے کابلوں سے ہندو تعلیم یافتہ نوجوان ترکی کی حمایت میں ہندو  
جمہور کو افغانستان سفر کرتے ہوئے پکڑے گئے۔ جو پولیس کی حفاظت میں کابل  
میں رہتے ہیں۔ ان ناخنوں میں سے دو مشہور ہندو مسیحی مہاراجہ ایم۔ اے۔  
اور مولوی محمد علی تصدوی ایم۔ اے۔ تعلیمی صیغہ کا درست کے لئے کابل پہنچ گئے  
اور جیل سکول میں کام پر لگائے گئے۔ مسیحی مہاراجہ ایم کے ساتھ میں نے اپنا  
 عزیز جتیا مہاراجہ احمد ابن حبیب اللہ کو بھی کابل روانہ کر دیا تھا کہ وہیں جمعیۃ  
 سکول میں تعلیم حاصل کرے۔

(۷) اکثر برطانوی اور کچھ ہندوستانیوں کا ایک سیاسی مشن کابل  
پہنچ چکا ہے۔ جس میں ترک اور جرمن بھی شریک ہیں۔

اعلیٰ حضرت امیر حبیب اللہ خاں (شاہد) قطع نظر کچھ تو انہیں  
شاہد اصلاح پسند کہنا چاہئے ہیں۔ اپنی اس رائے کے انکار کرنے میں کوئی  
تامل نہیں کہ اگر امیر عبدالرحمن کے بعد امیر شہید حبیب اللہ شاہ (۱۲۸۰) افغانستان  
میں کسی بھی موجودہ ترقی کا قدر جاری نہ ہو سکتا۔ امیر حبیب اللہ خاں نے وہ

دوسرے جمعیۃ حریرہ اور دو شفا خاںے۔ ملی، انکھائی نئی طریقے پر بنائے۔  
حبیبہ سکول کا نظام تمام تر ہندوستانیوں کے ہاتھ میں تھا۔ حافظہ مولانین  
بی۔ اے اس وقت ہمیشہ سترتے۔ شیخ مہاراجہ ایم۔ اے کو میں نے نہیں  
کے معرفت کابل بھیجا تھا۔ اس کے ساتھ مولوی محمد علی تصدوی ایم۔ اے  
کو حافظہ جی اپنے انتخاب سے لے گئے تھے۔

حریرہ سکول کا انتظام ترک افسروں کے قبضہ میں تھا۔ سیاسی طرح ملی  
شفا خاںے کا افسر ڈاکٹر میر عزت بیگ بھی ایک شریف ترک تھا اور انکھائی  
شفا خاںہ ایک ہندوستانی ڈاکٹر اللہ خاں کے پاس تھا لیکن حملہ دہل  
شفا خاںوں کا ہندوستانی تھا۔ امیر صاحب نے ایک دو نہایت عالیشان  
عمارتیں بنوائیں جن میں کچھ لبریریاں بھی تھیں کام کرتے رہے۔

مماش خاںہ مولوی عبدالرحمن خاں نے بنایا تھا۔ اس  
معاش خانہ میں انکھائی ترک۔ ہندوستانی کام کرتے رہے۔ امیر  
شہید نے اسے برقی قوت سے چلانے کا سامان مہیا کر دیا تھا۔ جیل اسٹریٹ  
میں برقی قوت پیدا کرنے کا اول درجہ کا مکمل تیار کر دیا ہے لیکن اجنبی  
انجینئروں کی تکمیل میں دھڑے اٹکاتے رہے۔

اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ نے استقلال کے بعد چند روز میں کام جاری کر  
دیا۔ امداد کی تکمیل کا سہرا ایک ہندوستانی مسلمان انجینئر کے سر بندھا گیا

امیر شہید نے سراج الاخبار جاری کیا تھا جس کی ادارت کی باگ چند روز بعد سردار محمود طرزی کے سپرد کی گئی۔ سراج الاخبار کے طبع میں چند سو فی اور عری کام کرتے رہے۔ امیر شہید کے اصلاحی کام کا قطب مدار اگر سردار محمود طرزی کو قرار دیا جائے تو اس میں مبالغہ نہ ہو گا۔ میں اُن کی زندگی کے تشفیاب و فراز سے خوب واقف ہوں۔ اصلاح افغانستان میں سید محمد تقی سے اس مرد خدائے جہاں کی ہے۔ اس کی نظیر مشرقی اقوام میں بہت کم پائی گئی۔

امیر شہید نے شرفا و افغانستان کی زندگی کی اصلاح و ترقی میں نمایاں کام کئے۔ کابل سے باہر صاف ایک ایک گھر معمولی حیثیت میں پائیں گے۔ مگر اندر جا کر دیکھیں تو نہایت صاف منظم آؤستہ ایک فونڈ ہو گا۔ امیر شہید اگرچہ اعلیٰ مرتبہ شاہ و افغانستان کا مسلم لقب رکھتے تھے مگر بولنے لیک اگر بڑی معمولی تر نعل کے جوتوں ایک چٹائی پر لیٹا ہوتا۔ اُن کے دربار میں کسی دوسری دولت کا رسمی طور پر کوئی آدمی نہیں رہتا تھا۔ البتہ مسلمان حکومتوں کے سردار افراد کابل میں اپنی شخصی حیثیت سے متاد نظر آتے تھے۔

شرفا و ان سلطنت افغانستان  
امیر شہید کے چھوٹے بھائی سردار  
نصرت خاں صاحب فی السلطنت  
اور امیر شہید کے بیٹے صاحبزادے سردار غیاث الدین خاں فی السلطنت

اور نتیجے میں صاحبزادے سردار غیاث الدین خاں فی السلطنت امیر صاحب  
سراج الاخبار کے شریک تھے۔ مثلاً صوبہ کا مامک نائب حکومت امیر صاحب  
نورتن فراتے تھے۔ اس کے تحت ہر ضلع کا مامک سردار نائب السلطنت  
کا خطاب سے معزز رہتا تھا۔ شرعی فیصلہ کے لئے قاضی سردار حسین الدولہ  
کی طرف سے مامور رہتا تھا۔ عمومی فوجی بھرتی جیسے ہشت نفری کہا جاتا ہے  
سردار حسین الدولہ سے تعلق رکھتی تھی۔ ان سرداروں کے علاوہ امیر عبدالرحمن  
خاں کے زمانہ سے ایک وزیر جو اس وقت معزز ہونے کی وجہ سے پیش پاتے  
تھے۔ سردار احمد والد الدولہ عبدالقدوس خاں ہیں۔ شاہی خاندان میں قید  
کی برائی ہیں۔ اسے محمد زئی کہتے ہیں۔ سردار احمد والد الدولہ با اقتدار اپنی  
بزرگی کے تمام محمد زئی کے قوی بزرگ ہیں۔ اس حیثیت سے امیر صاحب  
بھی ان کے اعز و ادا پس بزرگوں کی طرح ملحوظ رکھتے تھے۔ مثلاً حیدر کے  
روز خود امیر صاحب ان کی خدمت میں جاتے تھے۔ ان کے لئے سلام خانہ  
کی خاصی صاف تھی۔ سردار احمد والد الدولہ کے دوستیہ محمد یوسف خاں اور  
سردار محمد آصف خاں مصاحبان خاص کے لقب سے منسوب تھے۔ اور  
امیر شہید کے مجالس میں ہمیشہ حاضر رہے ہیں۔ سردار محمد یوسف خاں کے بڑے  
صاحبزادے سردار محمد نور خاں سپہ سالار ہیں۔ مصاحبان خاص کے اولاد  
میں سے آٹھ دس فوجیان شائستہ باہمت کا کین ہیں۔ دوسرے دھبہ کے

تمام مناصب اکثر انہیں بھائیوں کے ماتحت ہیں۔ امیر شہید کی حکومت اور  
 ان کی اصلاحات کو کامیاب بنانے میں اس خاندان کا متاثریت ہے۔ اور  
 اس کا کرٹھنٹ سرور محمد زادہ خاں کو دینا چاہیے سرور محمد زادہ خاں تمام  
 ہندوستانیوں کے معین اور سرپرست ہیں اور میں تو خاص طور پر ان کا معین  
 ہوں۔ اگرچہ ظاہر میں ان سے بہت کم تعلق رہا لیکن میرے ہر مشکل معاملے میں  
 مدد کرتے رہے۔ اور بھٹ بیس ہے کہ نہ کبھی اس کا اظہار کیا دستاویز کی تفتا۔  
 صلہ کی پرہیز جس طرح مشہور محمود طرزی ترکی معاشرت کے دلدادہ میں اسی  
 سرور محمد زادہ خاں ہندوستانی معاشرت کے حامی اور پرستانہ ہیں۔ ان  
 معاشرت کے سوا شاہی خاندان اور محمد زئی کے قبیلے میں بہت سے سرور ہیں  
 میرے افسانے قابل اور ایرانی خاندانوں کے شرفاء اس قدر زیادہ ہیں۔ کہ  
 خاندان کے کسی بڑے سے بڑے شہر میں شرفاء کی اتنی مقدار مجتمع نہ مل  
 سکے گی۔

## باب اول

کابل کی اہمیت

ہمارا کابل پنپتا

ہمسافر تار

مسافر تار تار تسلط  
کے حضور میں باریابی -

ایک طرف سے جیسا کہ شہر  
کے حضور میں باریابی

ہندوستانی مشن سے طاقت

ہیں جس ملک و شعبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ ہندوستانی آباد  
**کابل کی اہمیت** پندرہویں کے لئے مھو با سب سے زیادہ مرنے والے مرکز  
دارالسلطنت کابل ہے۔ اسے ہندوستان کے متقلب حکمران ہم سے زیادہ  
جانتے ہیں۔ وہی کی سلطنت گورخیں ضیعت ہو گئی تھی۔ لیکن اس پر اتھوڑے  
کے بہت انگریزوں کو اس وقت تک نہ ہو سکی۔ جب تک انہوں نے پنجاب پر  
قبضہ کر کے دہلی اور کابل کا اتصال نہ توڑ دیا۔ اس سے پہلے مرہٹوں کا قبضہ  
توڑنے کے لئے دہلی نے کابل اور قندھار سے مدد حاصل کر لی تھی۔ جس میں  
نجیب الدولہ کا خاص اہم تھا۔ سیاسی مطالعہ کرنے والوں کے علم میں ایک  
طرح کا اضافہ ہو گا۔ جب انہیں یہ بتایا جائے کہ نواب نجیب الدولہ حضرت  
شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے خاص متقدّم تھے۔ اور ان کی سیاسی فلاحی

کو ایمان کا جو عقلم سمجھتے تھے۔ دوسری دفعہ جب انگریزوں نے دہلی پر تسلط  
کرایا تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہ کے وابستگان حضرت امیر شہید  
اور مولانا اسماعیل شہید کے رفقاء تھے اسکی حجاب کو اٹھانے میں معروف ہے۔  
قدحدار کاہل کے راستہ پشاور پہنچ کر دو چار سال کو کشش کرتے ہوئے  
شہید ہو گئے۔

**ہمارا کاہل پنہپنا**  
ہم نے جس حالت میں ملک سے ہندوئی مذہب کی ہر  
کی۔ اس سے حکومت ہندو بھی طرح واقف تھی ہمارا  
سبب یہیں کسی سے مخفی نہ تھا۔ ہمارا کام اتنا تیز نہیں رہتا۔ جس سے  
حکومت ہمیں معطل کرنا ضروری سمجھتی۔ ہماری محبت میں جو لوگ سی۔ آئی۔ ڈی  
مقرر رہتے تھے۔ ان سے ہمارا برتاؤ چھڑا۔ اس کا بھی ہماری آڑوی  
کی کافی اثر ہے۔ کاہل جاننے کا فیصلہ ہم نے مخفی اپنے استاد مسٹر دھرم رتی  
حضرت مولانا شیخ الہند قدس سرہ کو راضی رکھنے کے لئے کیا تھا۔ ہم اپنی حیثیت  
واقف سے واقف تھے۔ ہم نے بڑی بڑی امتیازیں تصور کر کے کسی سرور  
کو کشش نہیں کی ہم تصور نہیں کر سکتے تھے کہ کاہل پنہپ کر ایک سال سے کم  
ہمیں ہم اپنا ذاتی اشغالی کسی ذمہ دار افسر سے کہہ سکیں گے۔ اگر غرض ہوتے  
حضرت اس پر غلہ نہیں اپنے بزرگ حکم ان کر ملک چھوڑنے کی توفیق عطا  
دانی حضرت مولانا کا ذکر ہم ہر ایک دوست سے نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے

بعض دوستوں سے جو اس خیال کے مؤید تھے۔ کبھی ہم ان کا نام ذکر کر دیتے  
تھے۔ یا اپنا طبی رجحان ایک مسلم حکومت میں جاننے کا ذرا تفصیل سے سنا دیتے  
تھے۔ اسی طرح ہم خاص دوستوں سے رخصت ہوتے۔ ہماری طرح کے آدمیوں  
کو ہندوستان کے مولانا کاہل جس کس قد بنام کر سکتے ہیں۔ اس سے ہم واقف  
تھے۔ پہلے سے چند ہندوستانی ایک سیاسی سازش کے الزام میں مجبور ہیں۔  
اس کا جانشین ہری پور میں پڑا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ ان حالات  
میں جس قدر احتیاط کرنی چاہیے۔ ہم نے اس کا کافی انتظام کر دیا تھا۔ قدحدار  
تک تو ہم بلا پاپورٹ حکومت کی انگریزی میں پہنچ گئے۔ اس وقت سردار  
محمد رفیس خاں قدحدار کے نائب الحکومت تھے۔ جو سردار اعتماد الدولہ کے  
چھوٹے بھائی تھے۔

قدحدار ہیں دو شخص ایسے تھے۔ جناب الحکومت سے اچھے تعلقات  
رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب ہیں سندھ میں مل چکے تھے۔ اس  
نائب الحکومت سے ہماری اچھی ملاقاتیں ہرگز بعض ملی مسائل کا تذکرہ ہوتا  
رہا۔ اگرچہ مثنوی مولانا دروم سے ہمارا اشتغال بہت کم رہا ہے۔ لیکن بعض ہندوستانی  
اس اشتغال میں کامیاب رہے۔ نائب الحکومت کے عیسائی خاص ماہر سی دی۔  
اور اول درجہ کے سفر کا انتظام کر دیا۔ اپنے پرائیویٹ دوستوں کے نام تعارفی  
خطوط بھی دینے غرضی سے ہم نے سردار محمود طرزی کا اطلاع بھیج دی تھی۔ اس

کا آدمی ہمیں شیخ محمد ابراہیم کے یہاں سب سے نیچے خوش آمدید کہنے کے لئے آیا۔ وہ نور محمد سرور احمد الہادی خاں تھا۔

**ہمارا تعارف** شیخ محمد ابراہیم کے قریب ایک کراہ کے مکان میں آئے اور ان کے توسط سے میں سب لوگوں سے مل گئے جن

میں سے ہمارے پاس خطوط تھے۔ اس میں قابل ذکر سپہ سالار محمود دھنل سرور دار محمد و خاں طرزی تھے۔ سرور سپہ سالار نے ہمیں ہر طرح امداد دینے

تعمین دلایا۔ اور ہمارے قیام کا بل میں جو سرکاری مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں کے زائل کرنے پر اپنی تمام تر جہت مبذول رکھی۔ امتیاط کا تعنا بھی تھا۔

میں بنیاد پر سپہ سالار سے اجنبی ہی۔ اور اس پر ہم نے عمل کیا۔ سرور سپہ سالار خاندان کا ہمارے دشمن کے ساتھ رابطہ چلا آ رہا تھا۔ اس لئے ان کا ہر عمل

میں داخل و محبت پر مبنی تھا۔ ترکی کے شریک جنگ ہونے کا اثر سرور محمد خاں کی پرستش بہت زیادہ تھا۔ اس لئے ہمارا رابطہ ان سے زیادہ ہوتا گیا۔

میں نے ہمیں سرور امین اسطفت سے ملایا۔ اور ایک دن سرور کی عیادت کے لئے پہنچا۔ اس سے ہمارا ذکر اسطفت کے تمام سرور ملانک پہنچ گیا۔

میں نے کے بعد ہم نے پورا ایک دن چھری کا نا استعمال کرنے کی مشق میں صرف اور بے کلفت دھڑل میں شریک ہوئے رہے۔

اسطفت خاندان میں خرمی فیصلوں کا ایک حکم ہے۔ جسے میزان امتیحات

شرعیہ کہتے ہیں۔ اس حکم کا رئیس قاضی عبدالرزاق خاں ہمارے دارالعلوم دہلیہ کا تعلیم یافتہ ہے۔ حدیث حضرت ملا نادر شیدا صاحب گنگوہی

قدس سرہ سے پڑھی تھی۔ وہ سرور نائب اسطفت سے خاص طور پر وابستہ ہیں۔ جیسے سرور طرزی امین اسطفت سے اور سرور سپہ سالار امین سرور

قاضی عبدالرزاق خاں سے ہم چند روز بعد ملنے پر گئے علمی دستوں کی یاد دہانی ہوئی رہی۔ ایک عجیب بات خاں ہمیں یہ نظر آئی کہ ہمارے اس سفر کے متعلق

خاص طور پر ان کے پاس اطلاعات موجود تھیں۔ انہیں جب اچھی طرح اطلاع ہو گیا کہ میرا ہی نام عبید اللہ ہے تو بہت سرور ہوئے۔

**سرور نائب اسطفت کے حضور میں باریابی** حاجی عبدالرزاق خاں جاتے تھے۔ کہ میں سرور نائب

اسطفت سے ملائیں۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کے غیر رسمی پولیکل معاملات سرور نائب اسطفت سے تعلق رکھتے تھے۔ فقط رسمی معاملات امین حضرت کے ساتھ

میں ہونے میں محدود تھے۔ وہ ان کے ملائک مطابق انہیں مشورہ دیا کہ ہمارا ملاقات سرور امین اسطفت کے توسط سے ہونی چاہئے۔ اسے انہوں نے

پہنچا۔ اور ہم سے ایک مختصر مونیہ لکھو لیا جس میں ہم نے اپنے مقاصد کا اجمالی ذکر کیا۔ اس کے ایک روز بعد مجھے سرور امین اسطفت اپنے ساتھ

لے گئے۔ سرور نائب اسطفت ہم دونوں سے تعلیم میں ملے اور دو گھنٹہ تک



کے معرفت سردار نائب السلطنت کے پاس بھیج دیا مگر ان نائب السلطنت ہمارے طرز تحریر سے سمجھ گئے کہ جب تک ہمارے معاملے کا فیصلہ خدا علیہ تعالیٰ نہ کریں گے ہم اسے قابل اطمینان نہیں سمجھتے۔ انہوں نے شاید ایک ماہ بعد میں علیحضرت کے حضور میں پیش کرنے کا انتظام کیا۔

**علیحضرت امیر حبیب اللہ خاں شہید** ایک دن سردار نائب السلطنت کے لیے اپنے عزیز اہلکار کے حضور میں باریابی میں آیا اور عصر کے بعد

میں علیحضرت تشریف لائے۔ علیحضرت اور سردار نائب السلطنت کے سوا اس کمرے میں اور کوئی آدمی نہ تھا جس میں مجھے شرکت باریابی حاصل ہوا اس مجلس میں فقط دو کرسیاں اور ایک چھوٹی میز تھی۔ ایک پر علیحضرت جلوہ فرماتے۔ اور دوسرے پر مجھے بیٹھنے کا حکم نہایت شفقت و محبت سے دیا۔ سردار نائب السلطنت نے میرا بعد علیحضرت کے حضور میں پیش کیا۔ آدھ گھنٹے تک علیحضرت اسے غور سے ملاحظہ فرماتے رہے۔ آخر میں غایت فقرات سے بہت متاثر ہوئے۔ اور مختصر الفاظ میں پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور کام کرنے کے لئے راجی ایک حکم ارشاد فرمایا جس کی تعمیل میں اپنے اہلکار آخوگ کرارہا۔ مجھے یہاں صرف طرحت، اعتراض کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص منظور کا صحیح مشورہ دے گا۔ تو میری بات اس قدر مؤثر نہ ہوتی۔ اور میں اپنے

مقتضی حالات سے سوالات کئے۔ جو اس سے مطمئن ہوئے۔ یہ ایک طرح کا ہمارا امتحان تھا جس میں ہم بغضِ خداوند تعالیٰ سے عموماً اچھے کامیاب رہے۔ یہیں محسوس ہوا کہ سردار نائب السلطنت ہماری گفتگو سے محظوظ ہوئے اُن کی خواہش تھی کہ اس مذاکرہ کا خلاصہ فارسی میں لکھ کر اہم اُن کے سامنے پیش کریں۔

میں اسلامی تاریخ کا عموماً مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ اہل ہندوستان کی تاریخ سلطان عالمگیر اور اس کے بعد کا دور میرا خاص موضوع ہے۔ کیونکہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذاکرہ کی علمی و سیاسی تحریکیں یہاں سے شروع ہوتی ہیں لیکن یورپین طریقہ پر سیاسیات کا مطالعہ مجھ کو زیادہ میسر نہیں ہوا۔ اردو یا فارسی عربی میں اس نئی طرز کو سمجھنے کے لئے بہت کم کتابیں ملتی ہیں۔ اس لئے ایک عرصہ سے سیاسیات سے واقف تعلیم یافتہ کا اشتراک اپنے لئے ضروری سمجھتا ہوں شیخ محمد براہیم نے تاریخ اقتصادیات میں بیسی پڑھ کرٹی سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔ کابل آنے سے پہلے ہم نے سیاسی اشتراک اُن سے پیدا کیا تھا اور وہ مجھ سے پہلے پنج کمریہ سکول میں لازم ہو چکے تھے۔ اس زمانہ نقطہ دوسرے میسر تھے میں نے بہت اعتقاد سے اس ہندوہ دن میں سات آٹھ سلسلے لکھے۔ اور شیخ محمد براہیم کو سنائے۔ انہوں نے بعض مفید افانے کئے۔ اور ہم نے مضمون سردار طرحتی اور معین السلطنت

ایک انڈین نیشنل پارٹی قائم کی تھی۔ ہرنال اور مولوی برکت اللہ صاحب غیو اس میں شامل تھے۔

اس انڈین نیشنل پارٹی کے زیر اہتمام راجہ مندو پر تاپ اور اس کے رفقاً کونین میں مولوی برکت اللہ صاحب بھی شامل تھے۔ جلد ترکی اور جرمنی افسروں کے ساتھ ایک خاص مشن پر کابل بھیجا گیا۔ مشن ہم سے ایک مہفتہ پہلے کابل پہنچ چکا تھا۔ اور ان کی مفصل ملاقاتیں ختم ہو چکی تھیں۔ جب ہم علیہ حضرت کے حضور میں پیش ہوئے۔ اس کے بعد ہم کوشن کے ہندوستانی ممبروں سے ملنے کی اجازت ہو گئی۔ اور ہم ان سے اچھی طرح مل سکے۔ یہیں معلوم ہوا کہ ہندوستانی معاملات میں ہمارے اور ان کے نقطہ نظر میں کسی قدر فرق ہے۔ اس طرح مشن کے جرنل جنرل سے ہماری ملاقاتیں ہوئیں۔ اور اپنے نقطہ نظر کے منوانے کے لئے ہم ایک طویل واز تک تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ اس زمانے میں ہمارا ترجمان مندوستانی زوہانین مہاجرین میں سے ایک نوجوان تھا جسے ان لوگوں نے اپنا پریذیڈنٹ منتخب کر دیا تھا۔ اس کا نام عبد الباری تھا۔ وہ لاہور گزٹ کالج سے ایم۔ اے پڑھتا ہوا چلا آیا تھا۔ شیخ محمد ابراہیم چونکہ حبیبہ سکول میں تھام تھے۔ اس لئے انکی کوسیاسی مجلس میں عام طور پر شامل ہونے کے مواقع بہت کم ملتے تھے۔ ہماری ملاقات سے پہلے مشن کے ہندوستانی اور جرمنی ممبروں میں اختلافات پیدا ہو چکا تھا۔ ہمارے ہندوستانی دوستوں کے نظریات پر وہ

آپ کو بحیثیت ایک ہندوستانی مسلمان کے وہ باتیں پیش نہ کرتا۔ بلکہ ایک مسلم کی صورت میں متعارف ہوتا۔ اور چند روز بعد مجھے مسلک ہندوستانی بنانے کی یقیناً ضرورت پیش آتی۔ اور میں اپنے وہجہ کے بہت کچھ چھوٹا سمجھا جاتا۔ علیہ حضرت نے میری عزت افزائی سے یقیناً ہندوؤں پر احسان فرمایا۔ لیکن نہ اس لئے کہ میں نے اپنے آپ کو ہندوستان کا فرضی نمائندہ بنالیا تھا۔ بلکہ اس میں قابل عزت یہ بات سمجھی گئی۔ کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا اس میں ہمارے سے قطعی پریم لیا گیا۔ علیہ حضرت کو جس قدر بذات خود واقفیت تھی۔ ہمارا یہ اس کے قریب قریب رہا۔ ایک معلوم مدت میں ایک متوسط طبقہ کا آدمی اور پھر وہ بھی مذہبی عاملوں میں صحیح معلومات کا مالک ہے۔ اور ایسے نادر موقع پر صداقت کا خیال رکھتا ہے۔ علیہ حضرت کے لئے اور اس کے سرور نائب اسطنت کے لئے واقعی ایک نادر اور مؤثر مثال تھی۔ میں اسے اللہ تعالیٰ عزوجل کی ایک خاص رحمت سمجھتا ہوں۔ جس میں حضرت مرانا شیخ ابندھن مڑ کی دعا اور ان کی تعمیل حکم کی برکت کا بہت کچھ دخل ہے۔

ہندوستانی مشن سے ملاقات  
عرب عری کے شروع ہونے پر جب قد  
ہندوستانی آنادی سوزیر میں ہو  
تھے۔ وہ سب برلن میں جمع ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے جرمنی کے خارجہ کے

لے ڈائری کے اصل ثبوتیں بیان کیں۔ تاہم نہیں ہوتا۔ اور اصل میں شروع ہونے کے بعد  
میکش کی رپورٹ کی بنیاد پر بمطابق باقی رکھا جاسکتا ہے۔

سائیکا لوجی کے لئے نہایت دلچسپ تھے۔ حرکت اور جوشن جب تک برلن  
 آمدتینجلی میں تک پہنچے ان نظریات کی بہت قدر کرتے رہے۔ لیکن کابل میں تو عملی  
 کارروائی کے لئے آئے تھے۔ اس میں مشن کے پریذیڈنٹ یا مولانا برکت اللہ  
 کوئی زیادہ رہنمائی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کو عمر پھر افغانستان، صوبہ سرحد  
 پنجاب، سندھ، بلوچستان کا نقشہ دیکھنے کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا۔  
 مشن کے ممبر شروع میں ہم سے اخلاص سے نہیں ملے۔ مگر تدریجاً ان کا خیال  
 ہمارے متعلق اچھا ہوتا گیا۔ ہماری ساری عمر شمال مغربی ہند میں گزری۔ اور  
 اسی ادھیڑ میں ہر کراؤ سے ملے رہے۔ ہمارے پاس بعض ایسی معلومات  
 بھی تھیں جو کابل میں زچی نقطہ نظر سے بہت قیمتی سمجھی جاتی ہیں۔ اس طرح  
 ہماری رائے غالب ہونے لگی۔ اس اختلاف خیالات سے قطع نظر ہم نے  
 ہندوستانی ممبروں کے احترام و اعزاز میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ اس لئے  
 روز بروز ایک دوسرے سے قریب ہوتے گئے۔

## باب دوم

اس ضروری مسئلہ کے محرکات  
 تہیدی مقدمات کی تکمیل  
 ہندو مسلم اتحاد  
 ہندوؤں کی ایک غلط فہمی  
 کانگریس کے ایک لیڈر کی نگاہ  
 راجہ ہندو پر تپا  
 راجہ صاحب کا حملہ  
 لالہ لاجپت رائے کی مائنات  
 استنبول میں  
 جرمین مبروں کی شکایت  
 ہندوستانی فیشن کا مقصد

راجہ صاحب سے تبادلہ خیالات کرنے پر ہمیں ایک ناگوار حقیقت سامنے  
 علم ہوا۔ ہم ہندوستان میں بھی اس سے کسی قدر واقف ہو چکے تھے مگر اس کی  
 اہمیت کا صحیح احساس نہیں ہوا تھا۔ اب ہمیں اس کے اثر اور وسعت کا حقیقی  
 علم حاصل ہوا۔ اس مسئلہ میں ہمارے مقدمات سمجھنے میں ناظرین کی آسانی کے  
 لئے ہم کسی قدر گزشتہ واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔ میری طالب علمی کا پہلا نشا  
 قریباً سا ہے۔ کہ اس وقت میں سوائے اسلام اور مسلمانوں کے اور کسی چیز کی اتنی  
 نہیں مانتا تھا لیکن جب یہ مطالعہ پختہ ہوا تو مجھے ہندوستانیات اور ہندو مسلم اتحاد  
 کا خیال اور اس کی ضرورت زور سے محسوس ہونے لگی۔ ہاں ملی جیتہ لینے کے  
 لئے مجھے اس زمانہ میں کوئی موقع نہیں ملا۔ اس کے بعد جب مسلمانوں کی مرکوزی  
 جماعتوں سے میسر واقعات ہوا تو میں نے سب طرف سے اپنے بزرگوں

اور دوستوں کو اس طرف توجہ دلائی شروع کی۔ اور میری سرپرستی کی انتہا نہ رہی جب مجھے امید سے زیادہ کامیابی نظر آئی۔

**اس ضروری مسئلہ کے محرکات** میں جس وقت ناظم جمعیت الانصار پر فیصلہ سرپرستی رام کر پائی وہ یوں نہ تشریف لائے۔ وہ دارالعلوم دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک مہفتہ تک میرے یہاں رہے۔ انہیں پوری آواز دی سے دارالعلوم کی سیر کرائی۔ آخر میں وہ دارالعلوم کی بہت تعریف کرتے تھے کہ منہ کے مستقبل میں جو چیزیں کارآمد ہو سکتی ہیں۔ وہ اسی قسم کے کام ہیں۔ اور دارالعلوم کی خدمات قابل تعریف اہمیت رکھتی ہیں۔ اس پر میں نے سوال کیا کہ یہ پڑھنا ہماری ضرورت ہے یا نہیں۔ ان کا جواب تھا بالکل نہیں۔ آپ اگر ضرورت سمجھیں تو ہمارے ساتھ ہر جائیں ورنہ منہ ہمارا ہے۔ اور ہم اپنا کام خود کر لیں گے اس پر اس کا اثر مجھ پر بڑا ہر ہے۔ کہ اچھا نہیں ہوا۔ بلکہ اس نے مجھے بے قرار کر دیا چند روز بعد ہمارے مقرر الانصار کا اجلاس مراد آباد میں قسار پایا۔

یہ حالت ناظم مقرر الانصار مجھے شرفاء مراد آباد سے ملاقات کے مواقع ملے بغض نہ ہو اور جلسہ کامیاب رہا۔ علی گڑھ کے پروفیسر جمال الدین صاحب دعو ہمارے ماحول کو اتنا اسے اچھی طرح دیکھ رہے تھے اسے میں نے ٹرم کی نسبت کمال دیا۔ انہوں نے بہت تعریف کی۔ اس میں نے اس سے وہی سوال دیکھا۔

کیوں ہماری ضرورت ہے یا نہیں؟ پروفیسر نے نہایت محبت آمیز مشاقت سے جواب دیا۔ آپ کے ساتھ ہم کچھ نہیں ہیں۔ اس جواب کا مجھ پر گہرا اثر ہوا۔ اور میں نے دل میں اپنے آپ کو اور اپنے ساتھ اپنے دوستوں کو سخت ملامت کی کہ تعلیم یافتہ جماعت سے ہم کیوں کچھ نہیں ہیں۔ ساتھ ہی ہندو مسلم اتحاد کا چکر لگم میرے سامنے آگیا۔ اس کی پہلی کڑی قدیم و جدید نوجوانوں کا سمجھوتہ ہونا چاہیے۔ پھر دوسرا قدم اٹھانا اس قدر مشکل نہیں رہے گا۔

پانے والے اندھے خیال کے مسلمانوں میں عمل **تہمدی مقدمات کی اپیل** نزع کیا ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ علماء برداشت نہیں کر سکتے کہ عام مسلمانوں کی راہنمائی کا منصب ابن کے ہاتھ سے نکلے اور تعلیم یافتہ طبقہ لیڈر شپ کا مدعی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ علماء کی امانت میں ہم کوئی کام نہیں کر سکیں گے۔ میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ اہل علم لیڈر شپ کے ادا سے دست بردار ہو جائیں اور تعلیم یافتہ لوگوں میں عام طور پر احساس پیدا کر دیا جا کہ وہ اہل علم کی سرپرستی کی صحیح قیمت کو نہ سمجھیں۔ میرے اٹا و حضرت مولانا شیخ احمد تھانوی رحمہ اللہ نے بغیر اثر نہ میرے خیال کی اس طرح واردی تھی کہ وہ چاہتے تھے اس کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب مولانا محمد علی مرحوم گورنری کی آمد پر یونیورسٹی تشریف لائے تو حضرت

مولانا خواجه حسن علی کے لئے من کے قیام کا وہ پر گئے۔ اسی وقت سے ہمارے امام نے مولانا محمد علی مرحوم کو اپنا نیکو تسلیم کر لیا۔ میں اس وقت دہلی میں تھا۔ اور نادان لوگوں نے حضرت کے اس تقدم پر کتنے جھنجھکی بھی کی تھی تا کہ مرتضیٰ احمد انصاری کا خدا بھلا کرے۔ جو علما و دیوبند اور تعلیم یافتگان علی گڑھ کے خانے میں ایک مضبوط کڑی ثابت ہوئے۔ وہ جب ہمالیہ اور کراچی کے لئے گئے۔ تو اس میں مہمانے دیوبند بھی شریک ہوئے۔ اور اسی کام کو مکمل کرنے والے ہمارے شیخ الملک حکیم جمل خاں مسطور تھے۔ میں جب دہلی آیا۔ اور شیخ الملک کی سرپرستی میں نظارتہ اقدار قائم ہوئی۔ تو اس میں نواب وقار و حضرت شیخ الہند دونوں ایک درجہ پر شریک ہوئے۔

ہندو مسلم اتحاد اس مرحلہ کے طے ہونے پر شیخ الملک اور علی گڑھ انصاری ہندو مسلم اتحاد نے دہلی میں اس کام کو عمل شروع کر دیا۔ اور اس میں اعظم درجہ کی کامیابی ہوئی۔ اور مولانا محمد علی قزوینی بن گئے۔ میں ہندو مت کو سکے خیالات چاہتا رہا۔ ان میں بہت بڑا انقلاب پیدا ہو گیا۔ پروفیسر کرپانی جب دوسرا مرتبہ دہلی تشریف لائے۔ تو ان کی ذہنیت اور مٹی انہوں نے مجھے حیرت دی۔ کہ اگر میں چاہوں تو تمام ہندوستان کا مطالعہ کر سکتا ہوں۔

مگر زبردستی کے آمدہ وقت میں شیخ الہند و دیوبند باہر تشریف لے گئے تھے۔ صرف محمد علی مرحوم سے ملاقات کا خیال کر رہا تھا۔ دیوبند سے کچھ پہلے پہنچیں۔ برقی ہو گیا۔

اور وہ میرے لئے انتظار کر دیں گے۔ ان واقعات سے میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا۔ کہ اس قسم کی غلط فہمی ہندو غلط فہمی میں کافی طرح موجود ہے۔ لیکن وہ ناقابل علاج نہیں۔ بخوبی توجہ سے دور ہو سکتی ہے۔ میں یہ جیسے سمجھتا تھا کہ تمام یورپ اور امریکہ میں یہ پروپیگنڈا پھیل چکا ہے۔ اور ہمارے ہندو بھائی جب ہندوستان کا تعارف کراتے ہیں تو یہی بتا دیتے ہیں کہ ہندوستانی عادات کے وقت اہم کر لیا کرتے ہیں۔

تاریخ پر بھروسہ ہندو جوان یہ نظریہ قائم کر رہے تھے ہیں۔ کہ ہندو اصل ہندوستانی ہے اور مسلمان انگریزوں کی طرح ایک بیرونی فاسق ہے۔ اس لئے جب وہ ہندو کو بیرونی لوگوں سے متعارف کرنے کا خیال کرتے ہیں۔ تو اس میں مسلمانوں کو بیرونی فرض کر لیتے ہیں اس میں شک نہیں کہ مسلمان مشرق کی ایک بڑی جماعت عرب و عجم کے بزرگوں کی اولاد ہے۔ اور ان کی زبان سے بھی بعض اوقات ایسے کلمات نکل جاتے ہیں۔ جس سے ہندو جوان کو اپنے تخیل کی سبند مل جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان نظریں میری شخصیت کے متعلق ناواقف نہ ہوں گے۔ کہیں ایک ہندو گھر میں پیدا ہوا۔ اور ہندو مسلم کی کتاب تحفۃ الہند میں نے دیکھی جو ایک برس کے واسطے سے مجھے ملی تھی۔ اس کے مطالعہ کے بعد اسلام کی شناخت میں یقین کے کئے سارے برس کی عمر میں لے کر بیٹوں کے اندک اضافہ دوسرے سوچنا کا عمل کی گئے کیا جا رہا ہے۔

مسلمان ٹھہرا۔ اودتیس سال کی عمر میں علوم و فنون پر تکمیل کر کے دارالعلوم دیوبند سے سند فقہانیت حاصل کی جس میں علمی تحقیقات سے اس کی تجربہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی عام آبادی خصوصاً غلط سافلا کاشتکار، مزدور ہندو بزرگوں کی اولاد ہے۔ جو اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اور جو بزرگ فاتحانہ ہندوین داخل ہوئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اور جو خاندان اس لئے مذہب اور تمدن کو ہندوین قائم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کی اولاد اول درجہ کی ہندوستانی ہے۔ ہندو قوم کی نوسلم اور اسلامی تائین کی اولاد میں فرق کرنا ایک بنیاد پرستی اور امتیاز پرستی ہے۔ ہمارے بھائیوں کو بہت جلد اس غلط فہمی سے پاک ہو جانا چاہیے۔ میرا یقین ہے کہ اسلام سے بہتر انسانیت کے لئے کوئی مذہب، کوئی فلسفہ، کوئی تمدن، کوئی قانون یا دستور نہیں آسکتا۔ اس لئے ہندوستانیوں کو اسے عزت سے مان لینا چاہیے لیکن اگر جبرستی سے ایسا نہیں ہو سکتا تو ہم نوسلم کیا ایسے بھی گئے گزے ہو گئے اور اپنی آبادی کے قریباً سب اپنے مذہب کی عزت تمام بھائیوں سے نہ مڑائیں۔ ایک ہندوستانی اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے آپ کو زیادہ بہادر زیادہ شریف تصور کرتا ہے۔

مسلم لیگ کا ڈپوشن جب شملہ گیا۔ کانگریس کے ایک لیڈر کی رائے تو یہ ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کی اپنی رائے سے زیادہ فائدہ نہ ہو گا۔ لیکن ایک انٹیکل لکھا تھا میں نے اس کا ترجمہ پڑھا ہے

اس سے میرے دل میں یہ بات ٹھیک طور پر سمجھ گئی کہ واقعی انصاف کے روئے ہیں اس قدر فائدہ مندگی پر راضی ہونا چاہیے جس قدر شریعت کرشن کو پال کر کھلے ہمارے لئے اس قدر ہیں میں نے راجہ صاحب سے اس کا ذکر کیا۔ کہ میں مولوی میں مسلم آبادی زیادہ ہے۔ وہاں کوئی کارروائی مسلمانوں کے فیصلہ کے بغیر نہ ہونا چاہیے اس طرح یہ مسئلہ ہندوئی لوگوں کے سامنے نہیں آیا تھا۔ بلکہ سارے بڑے علم کو کاٹی مان کر سبب باری کے فیصلہ کر دہ لوگ ہندوستان جانتے ہیں۔ انہوں نے ہماری نقل بات سنی۔ اور اعداد و شمار میں خود کیا قوانین کی رائے ہمارے موافق ہو گئی۔ جو میں کہیں نہ کہا۔ کہ ہماری گورنمنٹ نے ایک دفعہ غلطی کی ہے۔ دوسری دفعہ نہیں کرے گی۔

ہمارے راجہ صاحب یونیٹریں (HUMANI-TARIAN)

### راجہ ہندو پرستاپ

جس طرحی کا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ لیکن اسے ناسمجھ کا مسیادانہ ذہن میں ایک کٹریسیائی سے بچنا نہیں چاہئے۔ نزدیک ہندوستان میں دیر پہلے مطالعہ کے مقابل مسلمانوں کی کوئی جی نہیں تھی۔ کابل میں بہانوں کی دوا داری ایک مرض کے مرتبہ کہ ترقی کر چکی تھی وہ بہانوں کی آبرم پر غلط سمجھے ہیں۔ اگرچہ آپ کو کابل کے کہ بہانوں کی خوشحالی حال کو فراموشی جانتے ہیں۔ مام مولوی میں ان کی غلط فہمی کے لئے حوصلے کے متوالے پیش کر دیں گے۔ اس سے جہاں بھر رہا ہے کہ میرے پروپیگنڈے کا خوب اثر ہو رہا ہے۔ ہمارے راجہ صاحب بھی اس غلط فہمی میں کافی زیادہ تک مبتلا ہے

لے یہی القویں والی غلط فہمی نہیں آئے

کے سفر میں چرائی گئی ہے۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ وہ بھی پنڈت جی تک پہنچ گئی ہے۔ یا پہنچا دی گئی ہے۔ اس سے جس قدر معلومات حاصل ہوں، ان کا کام پوسٹلڈ آفسان نہیں غور و سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے گہرے واقعات کیسے معلوم ہوئے۔ ہمارا خیال ہے کہ راجہ صاحب کی عزت محفوظ رکھنے کے لئے لالہ لاجپت بہم سے ملے۔ اس کے بعد ہر ایک بات ہمارے نام سے کہی جاسکتی ہے۔ ہماری ملاقات سے لالہ جی نے اور بھی فائدہ حاصل کرنا چاہا جس میں افسوس کہ نہیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ یہاں پر یہ ایک جملہ غرض ہے۔

مفصل ملاقاتوں سے ہمیں معلوم ہوا کہ مشن جرنل ممبروں کی شکایت کے ہندوستانی ممبر اور جرنل ممبر ایک جہتی

قائم نہ کر سکے جو ایسی سیاسی مہمات کے لئے ضروری ہے۔ ہندوستانی ممبر مسلمانوں اور جرنل ممبروں کے مابین جو تھے تھے۔ لیکن جرنل ممبر شکایت کرتے تھے کہ جرنل اور مسلمانوں میں جو سبب باعث دکھائے گئے۔ ان کا عشرہ عشرہ بھی یہاں نظر نہیں آتا۔ اس مشن کا جو مقصد بیان کیا جاتا ہے۔ انصاف یہ ہے۔ کہ مشن نے اس کے حقوق کو پیاری نہیں کی تھی۔ راجہ صاحب کو جب میں نے بعض کوتاہیوں سے متنبہ کیا۔ تو فرمایا کہ جرنل چانسٹل نے بھی مجھے اس طرف توجہ دلائی تھی۔ اور میرے لئے آسانی پیدا کرنی چاہی تھی۔ مگر میں نے غلط نشان سمجھ کر انکار کر دیا۔

ہندوستانی مشن کا مقصد یہاں تک میں سمجھ سکا ہوں فقط اس قدر تھا

یہ کہتا رہا نہیں ہے کہ میرے تباہ و برباد ہونے والے تھے۔ راجہ صاحب کو مجھ پر کیا۔ کہ ہندوستانی معاملات میں وہ صحیح طور پر مسلمانوں کو شریک کرے۔ اور میں ان کے لئے ایسا نرم اور میٹھا ثابت نہیں ہوا جیسے مولوی برکت اللہ مرحوم۔ اس کے بعد ہمارے اور راجہ صاحب کے اکثر معاملات محبت سے حل ہوتے رہے اور میں نے ان کے معاملہ کو بہتر و صریح طریقہ کی طرح معمولی تصور کیا۔ یعنی ایک غلط فہمی، اور اولہ کی روشنی میں اس کی درستی کر دی گئی

راجہ صاحب کا حملہ مگر واقعہ ایسا نہیں تھا۔ انہوں نے ہندو ہما سبھا کا جائزہ تو انہوں نے اپنے قلبی فیصلہ کو عملی صورت دینا شروع کی یعنی آریہ سماج کو ہارولڈ بنا کر لائبریری والی کے نام سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے کافی محنت کے بعد اپنے بھائی سے سوشل ریفرم میں ملاقات کی صورت نکالی۔ اور انہیں نیشنل فورم سمجھا کر واپس کر دیا۔ راجہ صاحب کا دلچسپی اور جیسے مجلس اور پنڈت مالوی جی کا لالہ لاجپت رائے اور سلامی خرواٹہ اندر سے جیل میں مل کر انہیں سانی کے لئے تیار کرنا معمولی واقعہ نہیں ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس میں راجہ صاحب کا ہاتھ کام کر دیا لالہ لاجپت رائے کی ملاقات استنبول میں

موتی ہند کی کتاب کی پوزیشن

موتی ہند کا عنوان ملان واقعات کی غلط کاپی ایسا نہیں ہے بلکہ بل کے سرفہرے متن نہیں۔



کوہر منی امر کی اتحاد میں اگر افغانستان شمولیت کا قصد کرے تو ملای جی کا ایک  
منشدہ اس سے واقع ہوتا ہے اور جہانگیر لیکن ہونہرستان کی سرحد سے اس  
مسیبت کو ناقابل ہے۔ مسالمت میں جو پوزیشن شاہ افغانستان کو حاصل ہے۔ اس میں  
جہاد و جہاد پال کو شریک کرنے کی کوشش کرے۔ انڈین سوسائٹی برلن نے پوری  
دشمندی سے اس ہندو تحریک کو ہندوستان کا رنگ دینے کے لئے مولانا  
برکت اللہ صاحب کو بھی برلن نام اس میں شریک کیا۔

مولانا برکت اللہ صاحب روم کی شمولیت کو جس قدر ہم معنی دکھاتے ہیں۔ اس کا  
رولنا کی شخصیت کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ مسلمانوں کی اس غفلت کی منزل ہے۔ جو اپنے آپ کو  
احیاء میں فرض کر کے اکثریت پر غلبہ کر رہے ہیں۔ جب ایک شخص کے ذہن میں شمولیت  
دیا جائے تو تم اس جگہ کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں کوئی کام نہیں کر سکتے۔ تو اس شخص  
کے یہ کام نہ ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ میرا یہ مطلب واضح کرنے کیلئے ایک مثال میں لکھا ہوا  
مولانا محمد علی اور مولانا ابوالکلام صاحب اپنا اختیار ہاتھ لگانے کے پڑ کر رہے ہیں۔  
تو کیا وہ اپنی قربانیوں سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ یا ان کو انصاری اگر سوائی شروعات  
کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے تو اس کی محنت کوئی نتیجہ دے سکتی ہے۔ یہی طرح اگر مولانا  
برکت اللہ صاحب راجہ صاحب سے اختلاف کر کے اپنا کام جاری نہیں رکھ سکتے۔ تو  
ان کی دل میں ہاں ملانے کے سوا چارہ ہی کیا ہے ؟

## باب سوم

جنرل قائد کا قیام

حکومت وقت ہند

دو ہی ہندوستانی مشن

دو ہی ہندوستانی مشن کا

مسلمان ممبر

مرزا علی کے لئے سفر خرچ

حکومت وقت ہند میں ہماری

شرایت

۵۱

جب ہم سر دار نائب السلطنت سے مل چکے تھے۔ تو  
جنرل قائد کا قیام وہ ہندوستانی تعلیم یافتہ زوجان جلاہور سے  
باغستان ہر کراہل اس ادارے پہنچے تھے۔ کہ ترکی جاکر وہ جنگ میں شریک  
ہوں گے لیکن کابل میں روک دیئے گئے تھے۔ انہیں پولیس کی حراست سے آزاد  
کر دیا گیا۔ اور ان کے رہنے کے لئے وہی گھر تجویز ہوا جس میں ہم رہتے تھے۔  
ہماری خواہش تھی کہ وہ ترکی جانے کا خیال چھوڑ دیں۔ ساور کابل میں ہمارے  
ساتھ رہ کر حکومت کی مصیبت جس قدر اجازت دیتی ہو۔ اسی قدر کام میں مصروف  
رہیں۔ وہ جب لاہور سے نکلے تھے تو تنہا شکل میں سفر کر رہے تھے۔ مگر کابل میں  
لاہوری فوجیوں کے ساتھ چند زوجان پشادہ بھی شامل ہو گئے۔ اور ان میں اضافہ  
شروع ہو گیا۔ ریکارڈ میں آہستہ آہستہ لاہوری جماعت کے افراد بھی کسی قدر

مختلف ہو رہے تھے ہمیں جب یہ حقیقت معلوم ہوئی تو میں نے پہلے ان کے  
 پرانے نظام کو تازہ کرنے کی کوشش شروع کی۔ اور ایک نوجوان عبدالباری خیم  
 جماعت کا صدر منتخب ہوا۔ ہمارا تعلق اس جماعت سے اس رئیس کے توسط سے  
 تھا۔ چونکہ ہندوستان میں کی ایک جماعت سیاسی سازش کے الزام میں مجبور تھی  
 اور وہ لوگ افغانستان کے حکمرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے ہم  
 افغانستان میں پیمپ کام بھی جاری نہیں کر سکتے تھے لیکن جب یہ نوجوان ہمارے  
 ساتھ رہنے لگے۔ تو میں دہلی کے نظارتہ المعارف کا سامعیت آنے لگا۔ ان کے  
 متعلق ہمیں کسی احتیاط کی ضرورت نہیں تھی۔ اس جماعت میں کم از کم دس آدمی ایسے  
 تھے جو تین سال سے زیادہ کلچر میں پڑھ چکے تھے۔ انہیں ہم نے علیحدہ کر لیا۔  
 اور کسی قدر مذہبی اور سیاسی عام اصول پر ان سے مذاکرات ہوئے گئے۔ اس میں  
 شیخ محمد لایم اور مولوی محمد علی قصوری بھی شریک تھے۔ اس عرصہ میں ہمارے بعض  
 دوست ریونڈر سے بھی پہنچے جن میں سے مولانا منصور انصاری جمعیۃ الانصار  
 میں ہم دہلی کے ساتھ کام کر چکے تھے۔ اور مولانا سیف الرحمن دہلی سے  
 اعظم شاہ ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔ مولانا سیف الرحمن اصل میں قندھاری افغان  
 ہیں ان کے آباؤ اجداد پشاور کے پاس رہتے تھے۔ انہوں نے مولانا رشید احمد صاحب  
 انگلوہی اسے حدیث پڑھی اور زیادہ عرصہ تک نوکری میں پڑھاتے رہے۔ اخیر  
 دہلی کے مدرسہ فخروری کے مدرس اقل تھے جب حضرت مولانا شیخ الہند

قدس سرہ کے مشورے سے انہوں نے یاغی خان کی طرف ہجرت کی۔ اور حاجی  
 رنگ زئی بھی ہجرت میں کچھ عرصہ جہاد میں شریک رہے۔ اور پھر کابل تشریف  
 لائے اور مدینہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی حضرت مولانا محمد اسلم شہید کے خاص  
 شاگردوں میں سے ہیں حضرت سید صاحب کے ساتھ ہجرت کی۔ یہ کابل میں سقا  
 کا کام کرتے رہے۔ اس کے بعد مولانا محاسن صاحب دہری کے ماتحت ہند  
 میں مدینہ جاکر بیٹھے گئے۔ محمد آہاؤ۔ جنگل میں کام کرتے رہے۔ سید صاحب  
 کی شہادت کے بعد <sup>۱۳۲۶</sup> میں انہوں نے اپنی مستقل جماعت قائم کر لی <sup>۱۳۲۶</sup>  
 میں حجاز میں۔ نجد کا سفر کیا <sup>۱۳۲۶</sup> میں مشرقی افغانستان میں نشریات لائے  
 مولانا ولایت علی مرحوم سید صاحب کی شہادت تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کے  
 اختلاف میں بیٹھنے والی ایک خاص جماعت قائم کر لی۔ ان کے بھائی مولوی متین  
 اس خیال کے مخالف تھے اس لئے جماعت میں مندرجہ بالا اور محمد بن دہلی غزنی  
 تھے تھے۔ ان مجاہدین کی امت مولانا ولایت علی کے خاندان میں منحصر ہو گئی۔  
 ان کے کوئل مولانا محمد بشیر جلال پور کے اہل حدیث جماعت کے معزز کارکن تھے  
 اور ہجرت کر کے جماعت مجاہدین میں رہتے تھے۔ نوجوانوں کی ہجرت میں اس کا  
 خاص کام تھا۔ وہ بھی اپنی جماعت کے فرائض انجام دینے کے لئے کابل پہنچے  
 ان لوگوں کے مشورے سے ہم نے کام کرنے والوں کی ایک جماعت بنوائی۔ جسے  
 جنوفا لکھ کہا جاتا ہے۔ اس میں اگر عسکریت تھی تو ہی قدرتی سازش ہوئی

بھیجا۔ اور ان کے سالانہ گرانٹ میں مستقل اضافہ ہو گیا۔ اعلیٰ سرورائے سلطنت کی صدارت میں جو باتیں تھیں وہ محفوظ تھیں۔ اور ان سے افغانستان گرانٹ اپنی ترقی کے لئے راستے سر جتی۔ اس قسم کے کاموں میں سے ایک کام حکومتِ حقہ ہند کا قیام تھا۔

راجہ ہند پر تپ اور مولانا برکت اللہ نے مل کر روسی ہندوستانی مشن حکومتِ حقہ ہند کی بنیاد ڈالی جس میں بعض جوان اور ترک بھی شامل ہوئے۔ اس حکومت نے ایک صدی روسی گرانٹ کے پاس بیٹھنے کا فیصلہ کیا۔ سرورائے سلطنت نے اسے منظور کر لیا۔ اس پروگرام پر کام کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی ہندوستانی نہیں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ جوان ان کے ساتھ کام کریں۔ مگر یہ لوگ بہار کی تنظیم میں جکڑے ہوئے تھے اس لئے ہم سے براہِ راست بائیں شروع ہوئیں۔ ہماری ابتدائی گفتگوں ایک افغان افسر بھی موجود رہتا تھا۔ اور ہمارے تبادلوں و سفالات سے وہ بہت سی ایسی باتوں کو سمجھنے لگا۔ جو پہلے سے اس کی توجہ مجذب نہیں کر سکتی تھی۔ ہمارے ساتھ ان جوانوں کے علاوہ دو مکہ بھی تھے جو فدر پارٹی کے ممبر تھے۔ اور ہندوستان سے بھاگ کر بلا پاسپورٹ افغانستان میں داخل ہو گئے تھے۔ وہ بھی پہلے پولیس کی حفاظت میں تھے پھر آزاد ہو کر ہمارے پاس رہنے لگے تھے۔ راجہ صاحب کی تجویز یہ تھی کہ ان میں سے ڈاکٹر متھرا سنگھ کو اس روسی مشن میں بھیجا جائے۔

میں موجود ہے۔ اس نظام سے ہم نوجوانوں کی باہمی رہائشوں کو دور کر سکے۔ اور انہیں ضروریاتِ معلول کے مکروہ نام سے نجات دلانے میں کامیاب ہوئے۔ سرورائے عالی ترنگ نہی کے آنے پر افغانی مجاہدین کی ایک جماعت پیدا ہو گئی۔ حاجی ترنگ نہی جو کہ حضرت شیخ احمد کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ ان کے ساتھیوں میں سے بہت سے لوگ دیوبند کے پڑھے ہوئے تھے۔ اس لئے جب ان کے دکاندار کا بل آئے تو وہ بھی جوازِ اللہ میں شامل ہو گئے۔

ہندوستانی مشن کو اپنے طلب میں کامیابی نہ ہوئی۔ حکومتِ حقہ ہند اعلیٰ حضرت اپنے ملک کو جنگ میں دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اور انگریزوں سے انہیں بہت کچھ مراعات کی توقع تھی۔ اس کے مقابل فریقِ ثانی کوئی تسلی بخش پروگرام نہ بنا سکا۔ اور ممبروں کا اختلاف سونے پر رہا گے کا کام دے گیا۔ ہلوانخیال ہے کہ مستقبلِ ہند کے مستقبل ہمارے نظریات پر کنکیشن کے ممبروں سے پورے ذلتے تھے۔ اس لئے بھی ہمیں دوبارہ میں جلدی بڑھنے کا موقع مل گیا۔ حکومت نے مشن کے ممبروں کو آخری جواب دینے سے پہلے ہمیں ان سے ملنے کے سامان ہم پہنچا دیئے جس سے ان کے ماب کو مختلف تعبیرات سے پریشان کرنے کی کٹھنمش کی گئی مشن کی برکنگر علامت حضرت سے ہوتی وہ حوتِ بحوث برٹش رنصل کے ذریعہ اُسٹرائے کو دی جاتی۔ اس کے مادہ میں کافی روپیہ انگریزوں نے اعلیٰ حضرت کیلئے

مولا نارتھ اللہ مرحوم کی تائید کے بعد دوسرے ممبر اس فاضل مسئلے نے یاد دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے وہ موافق ہو گئے۔ اب ہمارے سامنے یہ مسئلہ ایک فیصلہ شدہ صورت میں ظاہر کیا گیا یعنی ہم ڈاکٹر مسٹر سنگھ کی کامیابی کا واقفیت سے آشنا ہو چکے تھے۔ اس میں قسم پیش کر دی۔ کہ اس مشن میں ڈاکٹر مسٹر سنگھ کے ساتھ ایک نوجوان مسلمان بھی ہونا چاہیے۔ راجہ صاحب نے پسند نہیں کیا۔ اور اس پر مباحثہ ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ مسلمانوں کے اشتراک کا یہ مطلب نہیں کہ کام سوچنے والی جماعت میں ایک مغلوب حصہ مسلمان کا شامل رہے۔ اور کام کرنے والی طاقت خالص غیر مسلم رہے بلکہ عملی کاموں میں مسلمانوں کی شرکت ضروری ہے۔ اس مناظرہ نے یہاں تک طویل کھینچا کہ شراہ سب اسطاعت کے سامنے پیش ہوا۔ ترک۔ جرتن۔ افغان بھی اس میں شریک ہوئے۔ طرفین کی باتیں سن کر ہماری رائے کے موافق فیصلہ ہوا۔ ہماری اور راجہ صاحب کی تحفظ کو یہ آخری حصہ ہے۔ اس کے بعد پھر کبھی اس قسم کی ضرورت پیش نہ آئی۔

میں نے نوجوانوں کے رئیس سے دو سی ہندوستانی مشن کا مسلمان ممبر اس کام کے لئے ایک ممبر مقرر کیا۔ اس نے اپنی جماعت کے پورے شہزادوں کے بعد ڈاکٹر خوشی محمد کو منتخب کیا۔ یہ نوجوان جالندھر کا رہنے والا ہے۔ میڈیکل کالج لاہور میں دو سال سے

زیادہ تعلیم حاصل کر چکا ہے۔ مذہبی جذبات جیسے نوجوان میں ہوتے ہیں۔ اس میں کسی سے کم نہیں سمجھ رہے ہنس مکھ ہے۔ نوجوانوں کی ہجرت کی تحریک کا لیڈر ہے۔ اس کا نام مرزا محمد علی خوجا رکھا گیا۔ اور ڈاکٹر مسٹر سنگھ کے ساتھ دوسرا ممبر قرار پایا۔ شیخ محمد ابراہیم جب کابل چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تو اسی مرزا محمد علی کو اس نے اپنا رفیق بنایا۔ (قریباً) میری عمر قدر کا عیسائی افغانستان اور اس کے بعد روس میں مانی جا سکتی ہے۔ اس میں مرزا محمد علی کی منت و بہت کا حصہ غالب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر وہ ہمارے ساتھ نہ مل جاتا۔ تو شاید کوئی بڑا کام نہ کر سکتا۔ خدا نے صیغہ اشتراک میں قوت رکھی ہے۔ ساجد اور اسکے اعزازی قوت میں اضافہ اضافہ قوت نازل ہوئی ہے۔ دوول یک شروٹ سکند کوہ را۔ تو آپس میں کا کرن شریک ہو جائیں جغلی اصول صیغہ پر شرکت ہو۔ عمل اور تقسیم فوائد میں عدل ہو گا۔ رہے۔ خط اتنی طاقت دینا میں انھیں پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ ایک عالمگیر بلوری جفران پرمائی کا دھوئے رکھتی ہے۔ کیا ان میں سے ایک مختصر جماعت سمجھ رہا پیدا نہیں ہو سکتی۔ قیدی ہو سکتی ہے۔ گمان کہ قرآن پر غور کرنے کی فرصت کہاں۔ منافین کے پروپیگنڈے سے مرعوبیت نے انہیں کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ منافقہ وانا المیہ واجعون۔ کابل سے سفر کرنے سے چند دن پہلے مرزا محمد علی روس کی انقلابی اشتراکی جماعت کا ممبر بن گیا۔ اس کے بعد ہمارا ان کا بھی

اشراک باقی نہیں رہا۔ فقط دوستی اور محبت ہے۔

مرزا محمد علی کیلئے سفر خرچ  
راجہ صاحب نے ٹاکٹر متھرا سنگھ کا سفر  
خرچ دے دیا۔ ہم سمجھتے تھے کہ راجہ

پورے مشن کا خرچ دیں گے۔ یا شاید حکومت افغانستان کو دے گی۔

مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہماری ساری زندگی اسی طرح گزر رہی۔ کہ روپیہ پیسہ کا

کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جب ضرورت پیش آئی کسی نہ کسی طرح روپیہ مل گیا

اس طرح سے ہمارے دل میں اپنے پروردگار پر زیادہ اعتماد پیدا ہوتا۔ اور

اسی کو اپنی زندگی کا روشن پہلو شمار کرتے رہے۔ کابل کا سفر بھی اسی قاعدہ پر

تھا جب ہم قندھار پہنچے تو ہمارے پاس فقط ایک پونڈ تھا۔ اور ہم چار آدمی

تھے۔ نائب حکومت نے ہمیں سفر خرچ دے دیا۔ مگر اسے معلوم نہ تھا کہ یہ خالی

۴ قندہاں جب ہم کابل پہنچے تو ایک ہمدیہ میں ہمارا خرچ ختم ہو گیا۔ اور ہم نے جس

قدر کپڑے یا سامان راحت خریدا تھا۔ سب بیچ ڈالا۔ اس وقت ہندوستان

سے ایک دوست نے کسی قدر روپیہ بھیجے اور لوگوں سے ملنے کے قابل ہم

کپڑے بنا سکے۔ پھر سردار نائب السلطنت نے بطور مہمانی شاید پانچ سو روپے

بھیجے تو ہمارے بعض ساتھی جو ہندوستان سے واپس آئے۔ ان کی ضرورت

میں صرف ہو گیا۔ میں شیخ محمد ابراہیم کے ساتھ کھانے میں شروع سے شریک ہر

گیا تھا۔ مگر اور قسماً امانت ہم ان سے نہیں چاہتے تھے۔ وہ سمجھنا تھا کہ

میں ہند سے کام کے لئے بہت سارے روپیہ لایا ہوں۔ اور میں اسے واپس

کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب مرزا محمد علی کا خرچ دینا ضروری تھا۔ میں نے

شیخ محمد ابراہیم سے روپیہ مانگا۔ مگر اس مرحوم نے اس وقت انکار کر دیا۔ اگرچہ

بعد میں ان کا تمام روپیہ اور سب سامان اسی کام صرف ہوا۔ اپنے فیصلے

انہوں نے یہ سب کام کیا۔ لیکن اسی خاص وقت پر ان کے طبیعی ہو گئے۔ ان

کے دوسرے ساتھی مولوی محمد علی قصوری تھے۔ مولوی عبدالقادر قصوری

ہماری سرسری ملاقات ہوئی تھی۔ مولوی محمد علی کا تعارف مولانا ابوالکلام

نے کر دیا تھا۔ مگر وہ شیخ محمد ابراہیم کی طرح ہمارے کام میں شریک نہیں

خاص مشوروں میں فقط شیخ محمد ابراہیم پر ہمارا اعتماد تھا۔ عام معاملات میں

مولوی محمد علی بھی شریک ہوتے تھے۔ اپنی تعلیمت کا ہلکے الفاظ میں ان سے

ذکر کیا۔ وہ بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے مہذبانی دو ماہ کی خواہش کی

وصول کر کے ہماری ضروریات پوری کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا خاص نفع

دیکھا۔ اور مولوی محمد علی کے از حد ممنون ہوئے۔ جیسے آخر میں شیخ محمد ابراہیم

کا تمام اندوختہ ہمارے کام میں صرف ہوا۔ اسی طرح مولوی محمد علی نے

جس قدر کابل میں کیا یا تھا۔ وہ سب ہمارے ہندوستانی کاموں میں صرف

ہوا۔ جزا ہم اللہ خیر۔ سیاسی کام فقط نظریات یا عملی تجربات کے

دائیک ہونے سے نہیں چلتے۔ اس میں کامیابی کے لئے ایک مستعد جماعت

تین ممبر رہے۔ امیر اعلان اللہ خاں کے زمانے میں جنگ افغانستان کے خاتمہ پر اور ممبر چیلے گئے اس میں جماعت مہاجرین کے کیل مرلانا محمد شیر صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ راجہ صاحب بے شمار غریبوں کے مالک ہیں۔ مگر اپنی شخصی ویکٹیر شپ کا خیال ان کے دماغ پر غالب تھا۔ یورپین لوگوں سے وہ ان کی زبان میں باتیں کر سیتے۔ اور ڈیموکریسی (DEMOCRACY) کے سیکھ رہے تھے لیکن ہندوستانی معاملات میں ان کی مروری فہمیت نمایاں رہتی تھیں بڑے ڈاؤ پیج سے انہیں ماضی کیا۔ کہ حکومت موقتہ اپنا چارج اس جماعت کو دے دے گی۔ جسے انڈین نیشنل کانگریس نے اس کام کے لئے معین کیا ہو۔ وہ اس کے سوا کوئی بات نہیں جانتے تھے کہ کام پریذیڈنٹ کے اختیار میں چھوڑ دینا چاہیے اور وہ لائف پریذیڈنٹ اپنے ہی تجویز کردہ قالات سے مقرر ہو چکے تھے۔ جب پہلی بار راجہ صاحب نے قابل چھوڑا تو حکومت موقتہ کے لئے تین مرکز تجویز کئے۔ کابل، نیپال، ابگاہل شمال مشرقی کابل کے مرکز میں کام نہیں تو بغیر ہوا۔ اس کے بعد ہم نے جہاد اللہ اور باقی تمام کارروائیوں کو حکومت موقتہ مرکز کابل سے متعلق کر دیا۔ امیر اعلان اللہ خاں صاحب جب ہر وقتہ جسے قوانین نے ہمیں حکومت موقتہ ہند کا ساندہ مان کر سرکاری معاملات میں دھریاں شریک کر لیا جب جنگ کا فیصلہ ہونے لگا تو اس خاص مجلس میں

اور روپیہ کی بھی ویسے ہی ضرورت تھی جسے علم عمل کی۔ ہندوستان کے مسلمان میں قدر اللہ تعالیٰ کا شکر کریں۔ وہ تھوڑا سمجھا جائے گا۔ کوئن کے نام سے کابل میں بے سرو سامانی سے کام شروع ہوتا ہے۔ تو ان کے زوجہ ان بہترین کارکن ثابت ہوتے ہیں۔ اور روپیہ تو مولوی محمد علی اور شیخ محمد ابراہیم کا تھا۔ جو وقت پر کام آیا۔ ہمارا خیال ہے کہ ان کا نام قوم کے خاص طور پر یاد رکھنا چاہیے۔ اور ہمیشہ کے لئے ان کو دعا کرنی چاہیے۔ اس من کے روانہ ہونے سے حکومت موقتہ ہند میں ہماری شمولیت پہلے پہلے ہونے جو ممبروں سے زیادہ ملت شروع کر دیا۔ اس میں ہمارے دوست عبدالباری بی۔ اسے کی رفاقت ہمارے کام آئی۔ راجہ صاحب نہیں چاہتے تھے کہ وہ کسی دوسرے ہندوستانی سے ہیں۔ ہماری ملاقاتوں کا تسلسل دیکھ کر راجہ صاحب نے ہمیں حکومت موقتہ ہند میں شمولیت کی دعوت دی۔ انہیں خیال تھا۔ کہ شاید اس میں شامل ہونا پسند کریں۔ کیونکہ اس کا جس قدر نظام ان دنوں صاحب نے تجویز کیا تھا۔ اس میں راجہ صاحب کے نام میں وفاداری کا طعن ضروری تھا۔ مگر میں نہایت مسرت سے اس میں شامل ہو گیا۔ البتہ ملت ہمیں تہذیب کر دیا۔ جسے انہوں نے منظور کر دیا۔ اس کے بعد ہندوستانی معاملات میں ہماری گفتگو بیرونی مداخلت سے پاک ہو گئی۔ ابتداء میں حکومت موقتہ کے

## باب چہارم

مجھے جا کر سرفراز فرمایا۔ دوران جنگ میں بعض اہم امور میرے حوالے کئے گئے۔ جنگ ختم ہونے پر بھی کامیابی حاصل کرنے میں ہماری خدمات خاص طور پر تسلیم کی گئیں۔ اس تمام زمانہ میں ہمارے زجران رفیقوں کے کارنامے سنہری حروفوں سے لکھے جائیگے۔ اگرچہ ایک زمانہ تک ان پر پڑے ظالم مزید کا ہے۔ جب جنگ ختم ہونے پر راجہ صاحب دوبارہ کابل تشریف لائے۔ تو امیر مان اللہ خاں نے ان کے اعزاز میں ایسے کام کئے جن کی راجہ صاحب بھی توقع نہیں رکھتے تھے۔ اس میں امیر صاحب ہمارے مشورے و ثواب و ثناء قبول فرمائے۔ آخری سال جب ہم کابل سے رخصت ہوئے۔ امیر صاحب نے ہمیں افغانستان میں رہ کر حکومت مختصہ کا کام کرنے سے مددک دیا۔ انٹرنیشنل سیاست کی پابندی ضروری ہے۔ ہم نے ایک شرط پر اسے منظور کر لیا۔ جب وہ وعدہ کرنے میں نفل نظر آیا۔ تو ہم نے افغانستان سے رخصت ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ میں بذات خود قوشے سے تفریکے بعد آرام و عزت سے کابل میں رہ سکتا تھا۔ مگر میرے زجران رفیقوں کی مشقتیں ہماری عورت افزائی کی سبب نہیں (کا استقبال برباد ہو جاتا۔ اس لئے میں کابل سے نکلتا ضروری سمجھتا تھا۔ اب ہم امینان کے مجمع نہیں لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ خاں نے اپنے فائدہ کے لئے دوسروں کا نقصان کر دیا۔ اگر کبھی کوئی موقع پیش آتا تو تمام دوست پھر یکجا ہو جائیگے۔ و اللہ الموفق والمعين۔



ہندوستانی حکومت کا  
ایک نمبر ۱۱  
استنبول میں اور جاپانی مشن  
ممبروں کی گرفتاری  
ہندوستانی مشن  
ہماری نظر بندی اور قید  
انور شا کا خط

ڈاکٹر مسٹر اسٹیک اور مرزا محمد علی روسی مشن پر بھیج دیئے گئے۔ اور ممبروں کے  
ساتھ دو خادموں بھی روانہ کئے گئے۔ محمد علی کا خادم افغان تھا۔ اور ڈاکٹر مسٹر اسٹیک  
کا خادم ایک کابل کے مشن ترمذ سے تھا۔ چند پنچاگوڑہ نے زار کو مطلع کیا۔ وہ  
اس وقت۔ پریشان تھا۔ اس نے برطانیہ سے بہت سے مطالبات شروع کر  
دیئے۔ اور اس مشن کی کارروائی بہانا بنایا۔ برطانیہ مشن کو جعلی قرار دیتا ہے لیکن  
روس اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اور افغانی حملہ سے خوفزدہ ہوتا ہے۔ برطانیہ ہندوستان  
سے ممبروں کی تفتیش کرنا ہے۔ جو صحیح طور پر مستحق نہ ہو سکے۔ بالآخر زار نے ممبروں  
کے گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ مگر گورنر اسٹیک کی مداخلت سے یہ لوگ قید  
سے نکل گئے۔ پیش بیگنا ثابت نہیں ہوا۔ روسی و انگریزی اتحاد میں کسی قدر  
مشکلات پیدا کر کے کامیابی کی تلافی کے لئے لارڈ کچنر کو خود سفر کرنا پڑا۔

روشنی افلاہیوں نے ایک پمفلٹ شائع کیا۔ جس کا نام ہے۔ سونے کی پٹری  
 رجز سونے کی پٹری پر کندہ کر لیا گیا تھا، ایک خط گورنر تاشقند کے نام تھا اور اس  
 میں ان کے متعلق خط و کتابت مذکور ہے۔ جب پمیشن واپس آیا تو ڈاکٹر سترنگے  
 سردار نائب السلطنت کے سامنے پیش ہوا۔ سردار کے تمام سوالوں کے جواب میں  
 یہی کہتا رہا۔ کہ بخیر و فقیہ و بخیر آدم۔ اس کے بعد سردار نائب السلطنت نے مرزا  
 محمد علی کو بلایا۔ اور سفر کی کنیت پر بھی۔ محمد علی نے تمام واقعات کی مختصر تفصیل  
 لکھ رکھی تھیں۔ جریب سے اپنی کتاب نکالی اور مفصل حالات سے گفت و شنید  
 کا اظہار سب ذکر کر دیا۔ اس کے بعد سردار نائب السلطنت ہماری بہت زیادہ  
 قدر کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے خاص لوگوں سے کہا کہ اگر ہم مولانا عبید اللہ کی بات  
 نہ لیتے۔ تو راجہ صاحب کافرستان وہیں ایک حرف بھی نہ بولتا۔

**ہندوستانی حکومت کا ایک اخلاقی حلقہ**  
 ہماری تربیت ہندوستانی تعلیمات میں ملائے  
 دیوبند کے مسلک پر ہوئی ہے۔ دیوبند جماعت  
 فقہ حنفیہ کا پابند ہے۔ لیکن بہت سے حلقہ  
 رسوم کی تردید میں مولانا اہلسنیل شیعہ کے طریقہ پر ہے۔ اس میں یہاں تک مماثلت کیا جاتا  
 ہے۔ کہ مولانا اہلسنیل کے اصلی اتباع یہ لوگ اپنے سماجی کو نہیں مانتے۔ سندھ  
 میں جس نے جس سال زندگی بسر کی ہے۔ میرے بزرگ سب آئی ویر ہندی

مسلک سے ملتے جلتے ہیں۔ اگرچہ علماء دیوبند سے ان کے افادہ اور استفادہ  
 کا کوئی رابطہ نہیں۔ ان کے مخالف سندھ میں پیروں اور مولویوں کی تعداد کافی  
 ہے۔ ہندوستانی حکومت نے ان میں سے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جن کا اندھا  
 کے پٹیل سے بہت قوی تعلق تھا۔ ان کے اندھاری بزرگوں میں سے ایک پیر  
 کابل تشریف لائے۔ اور سردار نائب السلطنت سے ملے اور انہیں یقین دلایا۔ کہ  
 مولانا عبید اللہ حکومت خند کافرستان ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ افغانان  
 کے لوگوں کا مذہب خراب کر کے افغانستان حکومت کے امر سے انحراف  
 کو مطلق کرے۔ سردار نائب السلطنت کے سرکاری نے ہم سے ذکر کیا۔ ہم غلط  
 کو تھوڑا سا سمجھا دیا کہ ہمارے متعلق وہ افغان سی۔ آئی۔ ڈی کے افسروں کو مقرر  
 کر کے حکومت کی رائے معلوم کریں۔ اس پر جس قدر ضرورت ہو اس سے دیشہ ذکر کریں  
 اگر ڈیڑا سب ثابت ہوا تو مجھے توپ سے آڑا جاسکے۔ دوسری صورت میں جہاں  
 سے میں آج کام چھوڑ رہا ہوں وہیں سے شروع کر دوں گا۔ گویا یہ زمانہ بیماری  
 کی رخصت میں صاب ہو گا۔ غالباً یہ تجویز سردار کو پسند آئی۔ اور اس پر عمل کیا  
 گیا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ افغانان فقیر فریڈل سے کہا۔ کہ اس شخص کے ہمارے اعمال میں  
 ایک نقطہ بھی سفید نہیں رہا۔ اس کے بعد سردار نائب السلطنت نے ہمیں خاص طور  
 پر بار بار فرمایا۔ ہور ہم اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

استنبول مشن اور جاپانی مشن (پچھلے مشن کی کاپیالی میں راجہ صاحب نے

دوشن اور سچے کا فیصلہ کیا۔ ایک ہمارے منشاء کے مطابق استنبول بھیجا گیا  
اس میں ہمارے رفیق عبدالباری بی۔ اسکا اور ڈاکٹر شجاع اللہ مقرر ہوئے۔ یہ  
ایران کے راستے استنبول جاسے گا۔ دوسرا سن مولانا بکرت اللہ کی تحریر پر  
مقرر ہوا۔ اس میں شیخ عبدالغفار دہلوی۔ اسے اور ڈاکٹر مسٹر اسکندر روس کے ساتھ  
سے جاپان جائیں گے کیپٹن انیش سب سے پہلے کابل سے واپس گئے۔  
امیر صاحب نے خصصت کا فرمان دے دیا۔ وہ جانے کے وقت تین سو پونڈ  
سیرے نام چھوڑ گئے۔ راجہ صاحب نے مجھے حکم دیا کہ وصول کروں۔ اس میں  
سے ایک سو پونڈ تو راجہ صاحب اور مولانا بکرت اللہ نے اپنے کپڑے تیار  
کرنے کے لئے لئے۔ اور دوسروں کو شیخ محمد ابراہیم کے پاس امانت رکھ  
لئے۔ شیخ محمد ابراہیم اور مولوی محمد علی اور میرا اعتبار عزمین احمد جس گھر میں رہتے  
تھے۔ اس پر رات کو ڈاکہ پڑا۔ اور وہ تمام روپیہ اور دو تولی صاحبوں کے  
کپڑے اور سامان ڈاکو سے گئے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ راجہ صاحب اس ڈاکہ  
کو ہمارے روپیہ ہم کرنے کا بہانہ تصور کریں گے جب استنبول سن جانے  
کا وقت آیا۔ تو اس کے لئے سو پونڈ مولانا احمد تہجد وکیل رئیس المجاہدین سے  
مرض سے کراوا کر دیئے۔ مولانا محمد بشیر صاحب کا یہ احسان میں کسی نہیں بھول  
سکتا۔ تفرض کا توقف تمام تھا۔ اگرچہ بعد میں مرزا محمد علی نے اس کو دیا۔ دوسرے  
سن کی روانگی سے پہلے سرکاری طور پر ڈاکہ کی تصدیق ہو چکی تھی۔ اور چرچا

کے پاس روپیہ کا ثبوت ہو چکا تھا۔ اگرچہ میں اس سے کچھ بھی نہیں ملا۔  
اب راجہ صاحب کے کہنے سے میں مولانا بکرت اللہ کے ساتھ مردانہ ملاقات  
کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس واقعہ میں روپیہ منافع ہونے کا ذکر کیا۔ ایک  
سو پونڈ کی ضرورت ظاہر کی۔ سرور صاحب نے کمال مہربانی وعدہ فرمایا  
اور تمام کو خود سو پونڈ ساتھ لائے۔ اس طرح سے دوسرا سن بھی روانہ ہو گیا  
میں نے دوسرے سن کو جب ان کی سرحد عبور  
کے چکا۔ تو گرفتاری اور انگریزوں کے حوالہ کر دیا  
استنبول سن کو ایران میں خود انگریزوں نے گرفتار کیا۔ چار مہر لاہور پہنچے۔  
ڈاکٹر مسٹر اسکندر چوکر ایک برکس میں مفروضہ تھا۔ اسے پھانسی پر لٹکایا گیا۔  
اور باقی تین ممبر نظر بند کر دیئے گئے۔ ان میں سے عبدالباری جو ہر ایک موقع پر  
ہمارے ساتھ اور قزاقوں کی جماعت کا رئیس تھا۔ سر محمد شفیق کاشترہ دار  
نکلا۔ اسے معافی مانگنے پر راضی کیا گیا۔ اس نے تمام واقعات حکومت موقتہ  
کے اور جنرل اللہ اور جماعت مجاہدین کے مفصل لکھ دیئے۔ اور باقی دو ممبروں  
نے اس پر دستخط کر دیئے۔ کچھ عرصہ نظر بند رکھ کر اسے چھوڑ دیا گیا۔ حکومت  
ہند روسی سن کے زمانہ سے واقعات کی تحقیق کے لئے پریشان تھی۔ اب اسے  
باغیانہ مفصل حالات کی اطلاع مل گئی۔  
نتیجہ۔ حکومت ہند کے پروفٹ کا پہلا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ شیخ محمد ابراہیم اور

## ہندوستانی مشن

جب یہ دونوں حضرات یاجنٹان جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک ہندوستانی مشن بھی بھیجا گیا۔ ہم جب کابل پہنچے تو اپنے دور ساتھی واپس بھیجے تھے۔ ان کے پاس بعض کاغذات اور پیام تھے انہوں نے احتیاط اور احتیاج سے کام کیا۔ اب ڈچر ہند پر تاپ جاسکتے تھے۔ کرائن کی اطلاع ان کے بھائیوں کو گئے اور وہاں سے خبریت کی خبر گئے۔ اس کے لئے ہم نے اپنے پیچھے محمد علی کو امریکا اور شیخ محمد ابراہیم کے ساتھ یاجنٹان گیا۔ اور وہاں سے منزل مقصود پر پہنچ کر خط پہنچا دیا۔ جواب ملے کہ وہ مہینہ میں بحیرہ منجیا گیا مگر راجہ صاحب اس سے پہلے کابل چھوڑ چکے تھے۔ ان کا خط انہیں وزارتِ شریف میں پہنچا دیا گیا اور راجہ صاحب اس سے بہت مسرور و محزون ہوئے۔ اس کے بعد راجہ صاحب ہم سے بھائیوں کو ساماں کر رہے۔ اپنے پرائیویٹ میں بھی ہم سے مشورہ لیتے رہے۔ اور یہاں اوقات ہماری خاطر اپنی رائے سمجھاتے اس مشن کا ایک حصہ وہ کاغذات تھے جو میں اور مولانا منصور نے حضرت مولانا شیخ ابند کی خدمت میں بطور رپورٹ دکھائے تھے۔ ہم نے انہیں راجاؤں میں سے ایک نو مسلم شیخ عبد القیوم پرائیویٹ کیا۔ اسے کپڑے پر کلمہ کہ کتبیات دیئے کہ وہ شیخ عبد القیوم حیدر آبادی کو پہنچا دے۔ اور شیخ صاحب حج پر جائیں۔ اور حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کریں۔ اس کے بعد وہ وہ خطوط اسٹیشن کے والد خان بہادر حق دار زغال کو دیئے۔ خان صاحب نے مرنیکل اڈو انیور کو

مولوی محمد علی حبیبیہ سکول سے معزول کر دیئے گئے۔ اور میرا مستیجا عربینا حیدر حبیبیہ سکول کا طالب علم تھا۔ خارج کر دیا گیا۔ آج عربینا حیدر کے ہم جماعت توفیق اور نائب وزیر تعلیم جنرل اور میران گئے۔ اور یہ باوجود کہ علمی اور ملی لیاقت میں ان سے کسی طرح کہ نہیں۔ اسی طرح جو تھے چٹنا تھپتا ہے۔ اسی طرح ہم اپنی حکومت ضائع کر کے اپنی نسلیں برباد کر رہے ہیں شیخ محمد ابراہیم اور مولوی محمد علی نے فیصلہ کیا کہ وہ یاجنٹان ہی رہیں گے۔ پہلے دونوں مہاجرین میں رہے۔ پھر شیخ محمد ابراہیم حاجی ترنگن زئی کے پاس چلے گئے۔ اور پختونیکہ کرگول کو قرآن شریف کی تعلیم دیتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد غارت سے گزر کر روس پہنچنے کی کوشش کی۔ راستہ میں افغانستان کے ایک گاؤں میں فوت ہو گئے مشعب کیا جاتا ہے کہ ڈاکو یاجنٹان سے ان کے ساتھ تھے۔ اس نے شیخ صاحب کو شہید کر دیا۔ آخری وقت میں شیخ محمد ابراہیم نے دوسرے ساتھی کو ایک خط لکھ دیا۔ وہ میں نے پڑھا ہے۔ ان کے ایک لفظ سے شبہ ہوتا ہے کہ شیخ صاحب بھگتا چاہتے ہیں کہ بہت ممکن ہے کہ وہ ٹاکو نہ ہو۔ بلکہ اگر بڑوں کا ایک کارندہ جو شیخ محمد ابراہیم نے یہ سفر انقلاب روس کے بعد شروع کیا تھا۔ مولوی محمد علی مقصود کی کچھ عرصہ تک مجاہدین میں رہے اور پھر کسی طرح سرحدِ اقیرم کی معرفت سامانی لے کر پہنچ گئے۔ اس کے بیانات سے بھی ہندوستانی گورنمنٹ کے علم میں کچھ اضافہ ہوا۔

پہنپائے۔ اس کے بعد کے واقعات مشہور ہیں۔ ہندوستان میں گرفتاریاں شروع ہوئی۔ ہم جو ان رہ گئے۔ چند روز کے بعد حضرت شیخ اہندو رائے کے قتل واقعہ سننے سے گرفتار ہوئے۔ ایک عرصہ کے بعد جس حقیقت معلوم ہوئی۔ یہ واقعات ہمارے لئے موت سے زیادہ ناگوار تھے مگر ایک بات کی مرست بھری نہیں سکتے تھے۔ اگر خدا نخواستہ راجہ صاحب کا خط ہم عبدالحق کو دیتے اور ایسا سامان پیش کیا تو ہمارے لئے ناقابل برداشت مصیبت ہوتی۔ اب ہم خوش ہوتے ہیں کہ راجہ صاحب کا کام تو ہو گیا۔ ہمارے رگ فیدو مصیبت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسانی کر دے گا۔

ہماری نظر بندی اور قید اس کے بعد ہندوستانی حکومت کے اعتراض کا اثر ہوا۔ کہ مولانا مسعود رضا صابری اور مولانا سیف الرحمن کابل سے باغستان روانہ کر دیئے گئے۔ جلال آباد تک دو فٹ راستہ رہے۔ مولانا سیف الرحمن کو جلال آباد میں پش پانڈوں نے اپنی معیت میں لے لیا۔ اور ہندوستانی معاملات سے علیحدگی کا وعدہ کر لیا۔ اب وہ مستوفی الممالک کا جہان چکر رہے تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں کی آخری حکومت تک وہ مستوفی کے ساتھ رہے۔ اور مستوفی کو جو کام انگریزوں کی تائید کے لئے دیا جاتا، اس میں اس کی امداد کرتے۔

انور پاشا کا خط۔ ہندوستانی حکومت کو اطلاع ملی۔ کہ حضرت مولانا

شیخ الہند نے ایک خط انور پاشا سے لکھ کر پٹان بھیجا ہے۔ اور وہ اکابر دیوبند کے پاس کہیں محفوظ ہے۔ اس نے ہندوستان میں جس قدر کشش ہوئی۔ اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اب جب امیر حبیب اللہ خاں کی حکومت سے اطلاع ملی گئی تو مستوفی الممالک نے دیوبند کے ایک پرائے طالب علم کو جو حضرت شیخ الہند سے خصوصیت رکھتا تھا۔ افغانستان میں سے ڈھونڈ کر نکالا۔ اسے دیوبند بھیجا گیا کہ اسے حضرت امیر صاحب وہ کاغذ لکھتے ہیں۔ اس میں اگر مولانا سیف الرحمن کی واقفیت مستوفی کی امداد کرتی۔ تو یہ تجویز پرائے کا رہی نہ آسکتی۔ اس یونیورسٹی بزرگ کا پتہ بھی مولانا سیف الرحمن سے دریافت کر لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس بزرگ کو کچھ شکوک پیدا ہوئے۔ اس نے خط لکھ نہیں آیا۔ اس کے بعد انصاریا دیوبند لوگوں نے وہ خط جلال آباد یا مولانا مسعود رضا صابری افغانستان سے افغانستان چلے گئے اور ایک زمانہ تک وہیں رہے۔ اس کے بعد ہمیں یکم رمضان ۱۳۳۲ء کو ایک تنگ مکان میں لاکر قید کر دیا گیا۔ ہم رگ جین پچیس آدمی تھے۔ اور وہ گھر کسی حالت میں اس سے زیادہ آدمیوں کے لئے موزوں نہ تھا۔ ہماری نگرانی سردار سپہ سالار کے متفق رکھی تھی۔ انہیں ہم نے توجہ دلائی۔ اس نے ہمارے لئے ایک سرکاری باغ میں خیمے لگوائے۔ اور عید رمضان پر خود ہمارے خیموں میں تشریف لائے۔ ایک عرصہ کے بعد ہماری نگرانی مستوفی الممالک کے پرہیز گاری۔ اب ہم نے مولانا سیف الرحمن کی اعلیٰ سے مستوفی کے گھر رہنا شروع کر دیا۔

ہمارے ساتھی اسی طرح کوفال کی حفاظت میں رہے۔ ہمارا ایک رفیق اس مجلس سے بھاگ گیا۔ اور انقلاب روس کے بعد بخارا پہنچا۔ اس کا نام رحمت علی ذکر کیا ہے۔ اس نے اپنی تجویز ہمیں بتلا دی تھی۔ اس کو ہم منہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور ہمیں خوف تھا کہ اس کے بھاگنے کا نام ازم ہم پر عائد کیا جائے گا۔ اس لئے ہم نے مولانا سیف الرحمان کے توسط سے ان لوگوں سے ملیمہ کی اختیار کر لی مستوفی الممالک ہمیں بلال آباد سے گئے۔ ہم وہیں تھے کہ امیر حبیب اللہ خاں قتل کروایا گیا۔ اور کابل میں امیر امان اللہ خاں مستقبل بادشاہ بن گیا +

## باب پنجم

امیر امان اللہ خاں سے ہمارا تعارف

امیر حبیب اللہ خاں یا شاہ ہوئے۔ تو سردار نائب السلطنت ولی عہد قرار  
 پائے سو فوجی بھائیوں کے اتفاق سے سلطنت کا کام چھڑا۔ جب امیر  
 حبیب اللہ خاں کے بیٹے جوان ہوئے تو اس کی طبیعت خواہش تھی کہ سردار  
 عنایت اللہ معین السلطنت ولی عہد بنا دیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے بہا  
 دانائی سے کام لیا۔ حرب عمومی کے بعد حبیب ہندوستانی مسلمانوں اور ترکوں کی  
 طرف سے اولاً اور تمام ہندوستانیوں، ترکوں اور جوہنوں کی طرف سے  
 ثانیاً امیر حبیب اللہ خاں پر زور دیا گیا۔ کہ وہ انگریزوں کا ساتھ چھوڑیں۔  
 تو امیر نے تمام انٹی برٹش معاملات سردار نائب السلطنت کے سپرد کئے۔ اور  
 آپ پر برٹش معاملات کرنا تیار کیا۔ انگریزوں نے کافی روپیہ امیر کو دیا۔ کہ  
 افغانستان میں تقسیم کرے۔ اولاً چھ سلطنت کے نام پر قبائل افغانیہ سے بیعت

پورا کرنے کا قاعدا کیا اسرار نائب السلطنت نے اعلیٰ حضرت سے ذکر کیا۔ امیر صاحب نے جو کہ بتایا جس میں تمام فوجی افسر اور قومی بزرگ شریک تھے۔ امیر صاحب نے اس سلسلے میں اسے طلب کی۔ اس کے لئے سرزمین السلطنت کے سبکے متفقاً یہ قرار دیا کہ کوئی ماضوری ہے۔ اہل شریعہ کو اس نقطہ پر جس کا ارادہ نائب السلطنت کی قوت کا مظاہرہ تھا۔ امیر صاحب جبران ہو گئے۔ اور اپنے شاہانہ فیصلہ سے اس کو روک دیا ایک مسین السلطنت کیونکہ امیر کا ہم خیال رہا۔ اس کی حقیقت یوں ظاہر ہوئی کہ اگر یہ یوں نہ اس کو کسی شرط پر ولی عہد قبول کر لیا ہے۔ یہ عجیب بات دنیا غنہ گی۔ کو حضرت صاحب جہاد باج کو مسین السلطنت کے مرشد تھے۔ انگریزوں نے غلط فہم سے اس خدمت کے لئے بنایا۔ اور مسین السلطنت کو اپنی قومی اور مذہبی فیصلہ سے علیحدہ رکھنے میں کامیاب ہو گئے اور اپنی خواب سنائے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امر کیا ہے۔ کہ میں اس کام کو پورا کروں اس کے بعد اعلیٰ حضرت اور سردار نائب السلطنت کا اتحاد ٹوٹ گیا۔ اور قاضیوں میں انقلابی آثار ظاہر ہونے لگے۔ شرار ہر السلطنت کو تعین ہو گیا۔ کہ اس کی تمام کارروائی سے مطلب میری ولایت کے فیصلہ کو انگریزوں کی تائید سے منسوخ کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس نے اشتعالی مشن کو فرائض پیدا کروا۔ اور سادش شروع ہونے لگیں۔ امیر صاحب اللہ عام بادشاہوں کی طرح اخلاقی عیوب سے پاک نہیں تھے اب یہ مرض بہت ترقی کر گیا اور شرفاء کی ہوشیاری پر افسوس و راز کرنے لگے۔ اس پر بعض ضعیف عورتوں نے

حاصل کرے۔ اور پشاور میں افغانوں کو کہا جاتا کہ اگر یہ کابل جہاد کو سے تو اس وقت تمہارے شک جہاد میں شریک ہو جاؤ لیکن بغیر بادشاہ کے جہاد ناجائز ہے۔ اس لئے عام ہنگامی سے پرہیز کرو۔ اسی طرح حاجی ترنگزی اور دوسرے ماہرین کام لگ گیا۔ بلکہ حاجی ترنگزی کے آدمی اور خدمت سالی جہادین کے کارکن سب کی کام پر مجبور ہو گئے۔ کہ وہ اگر کابل کے نام ہیبت نامے حاصل کریں۔ یہ انگریزی روپیہ نہیں لوگوں کے ہاتھ یا غستان میں تقسیم ہوا۔ اس کے سرخام ہونے والے نائب السلطنت تھے۔ تمام ہیبت نامے ان کے دفتر میں محفوظ رہتے تھے۔ امیر صاحب نے اس ترکی جرمین ہندی وفد کو یہ جواب دیا۔ کہ ہیبت نامہ افلاوی قریب افغانستان نہ پہنچ جائیں اس وقت روس اور انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ خلاف مسلمان ہے البتہ جس وقت ترکی جرنیل کا پیش خیمہ افغانستان پہنچ گیا۔ اسی دن اعلان حرب کیا جائے گا۔ دوسری طرف ویسول اور انگریزوں نے تمام سے روک لئے تھے۔ اور انگریزی فوج کا عراق پر حملہ بعض اس پیش قدمی کے بعد بھی لینے کے لئے تھا اس دوران میں یہ بھی کہا جاتا کہ اگر روس کا خطرہ دیکھو میرے تو روسی قریب ہند پر حملہ کر سکتی ہیں۔ اس خطرہ کو مسلم کر کے لئے ہندی روسی وفد تجویز ہوا۔ جب روس کی قوت کمزور ہو گئی۔ اور اس مشن کی معلومات سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ روس افغانستان پر حملہ نہیں کر سکتا۔ تو نائب السلطنت کو جو لگاتے تھے۔ انہوں نے اچھا وعدہ لئے لیکن ان کے متواضع اور زاموں کا وعدہ



امیران میں تاکر حسین بہ سلطنت کا حق ناکل ہو جائے۔ اور پھر نائب السلطنت کے مقابل میں امیران اللہ خاں آجائے۔ اور ان کو ختم کر دیا جائے۔ کئی موقوفوں پر فدا سی کو روگرداشت کی وجہ سے تمام کام گردا گرد مارا گیا لیکن خدا کو منظور تھا۔ اس لئے یہ ساری حالتیں خود علی ای طرح انجام پذیر ہوا جس طرح سوچا گیا تھا۔ اعلیٰ حضرت امیران اللہ خاں نے پہلے دن استقلال کا دعوے کیا۔ اور ہم قید و بند سے آزاد ہو گئے۔ الحمد للہ کئی فطرت۔

ہم نے بعض اشد ضرورتوں کی وجہ امیران اللہ خاں سے ہمارا تعارف سے ڈاکٹر میر عروت بیگ سے ایک ہزار روپیہ ایک سال کے وعدہ پر قرض لئے تھے جب یہ مدت پوری ہونے کو ہوئی تو ہم مستوفی کے پاس نظر منڈتے۔ روپیہ کیس سے لے کر واپس کر سکتے۔ اور اس عدم ادائیگی کا اثر ہمارے مستقبل پر بہت برا ہوگا۔ اسے ہم خوب سمجھتے تھے۔ ہم نے میرزا سردار حسین بالہ لکھی خدمت میں اپنی ضروریات مفصل لکھ کر عرض کیا کہ مکمل بارہ سو روپیہ ایک سال کے لئے ضروری دلا جاوے۔ یہ وہ تصور و پیر زائد ہم نہ تھے۔ غایتہ علی بخاری کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کہے تھے۔ ایک عرصہ سے وہ بھی پشاور سے ہجرت کر آئے تھے۔ اور میر صاحب نے انہیں ہم سے علیحدہ نظر منڈ کر دیا تھا جس وقت سیدالاحرار رولٹ عمر علی منظور حسین فحوت کرنے کے لئے دہلی میں آئے آغا صاحب عزیمت اس کے پاس تھے۔ الغرض سردار حسین اللہ نے روپیہ تمام کو منفعی مستوفی کے گھر بھجوا دیا جس سے پہلے ایک نو سو روپے کم کر اپنے پاس دلا تھا۔ اور مستقبل کے متعلق اشارہ کیا ہے ہائیں ہوئی رہیں۔ یہ ملاقات بھی ہمارے فاصلہ کامل میں سے تھی

عممت و دی کے بعد خود کشی کر لی۔ سردار حسین اللہ امیران اللہ خاں تمام خبریں سے آراستہ تھے۔ ان کی والدہ علیا حضرت سے مخاطب تھیں میں سلطنت کا مخالفین سے ملنا ان کا طبی تھا جس کی سرپرستی رات کو میر صاحب پر بلا غنا سے گویاں برساتی تھیں۔ میر صاحب کی گئے۔ ابھی حب عمومی ختم نہیں ہوئی تھی مستوفی الما کہنے اُس کا الزام میر صاحبین اللہ و لا دوس کے فتوے پر لگایا۔ اس سے میرزا نائب السلطنت اور سردار حسین اللہ و لا اس اتفاق ہو گیا۔ اُن کے ساتھ محمود خاں طوڑی، سردار سپر سالار بھی مل گئے۔ اب یہ جماعت بہت قوی ہو گئی یہ دونوں سردار حسین اللہ کے طرفدار تھے۔ اور نائب السلطنت کو پسند نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ میر محبوب اللہ خاں کے زناد میں جس قدر ظلم اور فاضل نظام میں نمایاں ظاہر ہوئی۔ اُن کا دمر اور بلور است میرزا نائب السلطنت تھا۔ اس طرح جس کا لوگ تجریہ کر چکے ہوں اس کو دوبارہ بادشاہ نہیں سمجھتے میں سلطنت ایک ساوہ مزاج تھا۔ ایسے ایسے سیاسی انقلاب میں اُس پر غنا و نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اس وقت توروہ علانیہ باپ کا طرفدار تھا۔ سردار انان اللہ خاں کی شرکت سے انقلاب کی کیس میں بہت آسانی ہو گئی۔ علیا حضرت صاحب میر صاحب کی خانگی زندگی پر حاوی تھی۔ میر صاحب کو انکے اسطرح سے ختم ہونا پانگیا۔ کہ اگر وہ اپنی جلاوطنی سے باز آئے تو اُن کی خیر نہیں۔ مگر اس کا اس کے مزاج پر اُن اثر نہ رہا۔ طرح یہ ڈراما سوچا گیا کہ میر صاحب کو قتل کر دیا جائے۔ توروہاں نائب السلطنت کو

خدا کے فضل سے اس میں کامیاب رہے تھے۔ ہمارے متعلق مفصل معلومات شریعین اللہ  
کو مہر داران محمود و مژنی اور پیر سالار سے ملتی رہتی تھیں۔ شروع میں ہم شیخ ابراہیم سے ملے  
تو اس نے ہمیں دولت افغانیہ کے تمام اراکین کے متعلق مفصل اطلاعات دیں۔ جب  
مہر داران نائب سلطنت اور مہر دارین سلطنت کے معاملات بتلا چکے تو آخر میں کہتے ہیں  
کہ اس پر وہ ایک اور قوت ہے جو نہایت سیدگی سے ہاتھ دھو رہی ہے۔ مہر دار  
مہر دارین الدولہ ہے۔ اس کے بعد قول ہمارے ملاقات اُن سے نہ ہو سکی۔ مگر جب کسی  
ہم اُن سے ملے تو اس طرح جیسے بادشاہ ہرنیو لے شہر لڑے سے فنا پانچویں لیر عید شد  
خدا جلّال آباد میں قتل ہوئے۔ اس وقت ہم مستوفی کے گھر نظر بند تھے۔ اور مولانا  
سیف الرحمن کی زیر نگرانی رہتے تھے۔ مولانا سیف الرحمن کے کاموں سے متبادل بنکر  
اُن سے معاملہ کرتے رہے۔ اس میں ہمیں بعض سخت تکلیفیں پہنچیں۔ مولانا نہیں چاہتے کہ  
ہمیں واقعات کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہوں۔ مگر خدا کی قدرت اور قی پر ہوا ہند  
لاڈلی میں بہت کم کہہ جاتی بعض حصہ ہم فوراً سمجھ لیتے بعض اوقات واقعہ گذرے  
پر حقیقت منکشف ہو جاتی جب جلّال آباد پہنچے تو ایک منہ تک ہم پریشان اور  
وہابیہ میں پھرتے رہے۔ جب اعظم حضرت میرزا ان اللہ خاں کو مل کر منتقل ہو گئے  
تو انہوں نے ہمیں جلّال آباد سے طلب فرمایا۔ جب ہم دربار میں حاضر ہوئے تو منگوا  
کر فرمائے یمن ہو ہستم "اس خاص ملاقات کی طرف اشارہ فرمایا۔"

## باب ششم

اعلیٰ حضرت امیر اہل انشاء کی سلطنت میں چند روز ہم نے اپنی حکومت کی دنیا  
 سی جھلک بچھ لی جس قدر وہ اپنی وزرا کی پہلی صفت پر اعتماد کرتے تھے ہمارے ساتھ ان  
 کا ساملاسی کے قریب قریب تھا ہم ان کی پوزیشن معلوم کرنا چاہتے تھے تو جیسے وہ اپنے  
 خائن اور قومی بزرگوں کا احترام کرتے تھے ہم سے ان کا برتاؤ اسی طرح کا ہوتا تھا ہم نے  
 کوئی مشورہ عرض نہیں کیا جو قبول نہ فرمایا ہو۔ ہم نے کوئی سفارش نہیں کی جو رد کر دی گئی  
 ہو۔ اسی حالت میں ہم سے جو کچھ ہو سکتا تھا ہم نے سلطنت افغانستان کے مستقل و مستحکم  
 بنانے میں کوئی وسیع نہیں کیا۔ یہ تمام سیاسی معاملات ابھی تک تاریخ کے ورق پر یک  
 نہیں پہنچے۔ اس لئے ہم تفصیلات نہیں کہہ سکتے حضرت مولانا شیخ احمد کی وفات پر  
 جس شان پر ان کی جگہ پر مجلسِ تحریک خانی مستعد کی۔ وہ ایک یادگار ہے جس میں اس قدر بڑا ایک  
 فقرہ نقل کرتا ہوں۔ مولانا محمود حسن ایک کاردار شروع کو مذہب اور لاپرواہی کے نام پر  
 جب یورپ سے واپس آئے اور اعلیٰ حضرت سے خاص ملاقاتیں کر چکے تو اعلیٰ حضرت کو

ایڈیل لنگ لنگ کھڑے تھے ہم نے آخر میں انحضرت سے مندرجہ ذیل تعلیم گاہ کھولنے  
کی اجازت مانگی تھی برٹش وزیر نے افغان وزیر خارجہ کو راضی کروایا کہ جس ہندوستانی  
جو برٹش کے لئے موقع نہیں دیا جائے گا لیکن اس کی قیمت سے کافی مقدار میں ادا کرنی  
پڑی۔ اگر ہمارے قناصل و جرائد کا مستقبل ہمارے سامنے نہ ہوتا۔ اور حکومت برٹش کے  
بعض کناصلوں میں ہمیں ضروری شکست نہ ہوتی تو ہم انحضرت کی سلطنت سے شاید  
باہر جانے پر راضی نہ ہوتے جب سے کابل میں ہم نے بیچ بھرا ہوا ہم کی جگہ پر مرزا محمد علی  
حوت احمد بن کو اپنا شریک عمل بنایا۔ اسی وقت احمد بن کا مدد کا نظریہ من جوڑ کر لیا تھا  
جب احمد بن یا محمد علی اشتراکی جماعت میں شامل ہو گیا تو ہمارا استدعا اس زمانہ میں نظریہ  
رہا۔ افغانی، انگریزی عمارتیں نظریہ من مرزا پر ہمارے ساتھ مل کے حاکم پر تھا۔ وہیں  
میں کے کارخانے بہت زیادہ زمین کے قابل سمجھے گئے۔ اور سلطنت افغانیہ سے بلے نام  
خدمت کرنے پر مجبور تھا۔ وہی رہی جس سے ہمارے کئی ہندوستانی سہائی گزارہ کرتے  
رہے۔ نظریہ من کے دو گارڈز فرانز خاں مقرر ہوئے جو گورنمنٹ کالج لاہور میں نظریہ من  
کے ہم جماعت تھے۔ افغانی، انگریزی عمارتیں وہ ہندوستان بھی آئے۔ کابل سے قیمت  
ہونے پر ہم نے اپنی تمام دستاویزوں کی تحویل میں رکھ دیے تھے۔ کچھ ہیں کہ خٹاک کے قلعہ  
میں وہ تمام کاغذات کھڑے کئے گئے ہیں بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کاغذات  
برٹش حکومت کے ہاتھ آ گئے ہیں۔ اندر آئے متعلقہ کے متباد میں خوب کام کیا۔ اس لئے  
افغانیوں کی موجودہ حکومت میں وہ ایک مورد کارکن مانے جاتے ہیں۔ ہمارے ان کی شیر  
تھوڑی سی ہوتی ہے۔ بعض حوزہ بھی ہم سے ملے۔ مولوی احمد علی کو ہم نے ہندوستان واپس بھیجا  
ہی مناسب خیال کیا۔ وقت سے ہم اسے اس پر ماضی کر کے۔ ڈاکٹر محمد محمد علی حیدر آباد

میں پہنچ گئے تھے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے حکومت برٹش کا کام جس انحضرت نے  
دیکھا۔ تو ہم نے کابل کا گورنر کیسٹن بنائی جس کا درجہ وہاں ڈاکٹر محمد تھا۔ اس کا  
لیا کا گورنر میں منظور ہو گیا۔ ڈاکٹر محمد ہمارے کا گورنر کیسٹن کا فرشتہ جہان کا گورنر  
اور کا گورنر کے نوجوان میرا سے جانتے تھے۔ ہمارے محکم ڈاکٹر انصاری کا گورنر کے  
سکرٹری تھے۔ اس لئے یہ اہل قناصل آسانی سے ملے ہو گیا۔ ہمارے کا گورنر کیسٹن  
سب سے پہلے وہ کیسٹن ہے جو برٹش ایسٹ انڈیا سے باہر قائم ہوئی تھی۔ میرے نوجوان  
میں کا ذکر ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ شیخ محمد انبال شیدائی ہیں۔ میرا مولد سیالکوٹ ہے۔  
اور شیدائی بھی سیالکوٹی ہیں۔ ہم وطن کی محبت میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہو  
شیدائی صاحب سے جا ملا۔ ڈاکٹر فرشتہ نہیں تھا۔ اس لئے خیالات میں ہم زیادہ متفق نہ  
ہوتے۔ ہر۔ مگر علاہ ہم ایک بن گئے تھے۔ اور آگے چل کر خیالی انشراق بھی کم ہو گیا۔ میں  
کچھ چکا ہوں کہ شیخ محمد ابوبکر کے ساتھ میرا بیعتیا عزیزا حد پہلے پہنچ چکا تھا میرے ساتھ  
جو تین آدمی آئے تھے۔ ان میں سے ایک میرا بیعتیا محمد علی ابن مصلوب اللہ تھا۔ بعد  
کے گھر میں نے محمد علی کو بھیجا تھا۔ اور قندھار کے ماذر پر سردار قندھار الدولہ کی خدمت  
میں اس میں کو معین کیا تھا۔ سردار قندھار الدولہ نے اس کی خدمات کے اعزاز میں خاص  
خلعت سے سردار فرمایا تھا۔ میرے یہ دونوں حوزہ میری خاص خدمات کے متعلق رہا  
کھا، ڈاکٹر، اور اس کے حلقہ میں کئی آدمی دوسرے کی امداد کی ضرورت نہ ہوئی۔ ہمارے کابل  
کی زندگی کچھ آخری ایام میں مولانا محمد علی، مولانا شریک علی، مولانا حسین احمد علی میں تھے  
اور ہمارے مینورل کو ہم سے علیحدہ کرنے کی تجویزیں ہو رہی تھیں۔ ایسے حالات میں ہمارا  
سے میرا کر شاہی مہمانی کا خلعت اٹھانا ناممکن تھا۔ سروریت الیہ انکشافات کی ابتداء

اعظم حضرت امیر امان اللہ خاں کی اجازت اور مصلحت سے جسٹس کاماٹی جیسے ہیں دہر  
ہند پر چہنچاہے نے کافی حق دیا۔ انہیں کی تجویز پر ہمارے زوجہ ان آتے جاتے رہے  
جب ماسکوس ہندوستانی اشتراکی جماعت قائم ہوئی اور اس کا مرکز تاشقند قرار  
دیا گیا۔ قوام کے لیڈر جو بندہ رانا تھا رائے معزز تھے جہاں سے کئی سال تک چلتے  
رہے۔ اس لئے ہمارے دوست بن گئے۔ اب ہم نومبر ۱۹۳۲ء میں واپس آئے جہاں  
جو روڈ کے نزدیک سولہ کارندوں کے یہاں ہوئے۔ اور نیا کارندہ نیشنل ریاست  
کا نیا مشاہدہ شروع کر دیا۔

ہم نے اپنے حالات کی قدرت سے اپنے سیاسی پروگرام کے فروغ میں کئے ہیں اور  
مکتوبہ میں پختہ ہوئے بعض اوقات زندگی حریف و تنہا کی وقتیں گزری ہیں کچھ ملکہ بات ہمیشہ  
عمومی ہوتی رہی کہ اگر کسی قدر مالا مال بقیہ کام اور وہاں سے رخصت ہونے کے متعلق  
مشغول تحریریں کریں گے۔ اس اختصار کو سمجھنا بہت مشکل ہو گا۔ الحمد للہ

آج اس سے بھی تاریخ ہوئے +

وَعَلَّمَ اللَّهُ عَلِيًّا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا وَاللَّهُ جَلَّ جَلْمُهُ وَأَخْبَرَنَا  
۲۵ جمادی الثانی ۱۳۵۵ ھمدۃ اللہ الخیر م عارۃ الباب عبید اللہ سندھی -  
سابق ناظم جمعیت الانصار سابق ناظم نظارت المعارف دہلی +

ختم شد

محرریت اللہ کاتب  
احقر  
منصور والیہ ضلع لاہور  
خواجہ محمد عفی عنہ

5715-6-63